صحیفۂ اُولیٰ

ٹریکٹ نمبر ۱

شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ

جمعیۃ العُلماء کیا ہے؟

نمبر اوّل

از

محمد میاں عفی عنہ

ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ

جیّد برقی پریس دہلی میں طبع ہوا

اس صحیفہ کو ہر ایک مسلمان تک پہنچا کر شعبۂ نشر و اشاعت کی مدد کیجئے

شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ

کچھ مقاصد ہیں جن کے ختم ہو جانے سے روح اسلام ختم ہو جاتی ہے
ان مقاصد کی حامل صرف جمعیۃ العلماء ہے۔

اکابر جمعیۃ علماء نے انہیں مقاصد کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔

مخالفین نے جمعیۃ العلماء کو کانگریس کا آلۂ کار قرار دے کر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ مگر کیا یہ بہتان نہیں ؟

ہمت یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کے نظریات کی تردید کی جائے۔ یہ انتہائی بزدلی اور کمینہ پن ہے کہ جھوٹے الزام لگائے جائیں۔

دنیا انقلاب کے گہوارہ میں جھول رہی ہے۔ تبدیلی حالات کی رفتار گردش لیل و نہار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے کان اگر مقاصد جمعیۃ العلماء سے ناآشنا رہے۔ اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں ان مقاصد کی تڑپ نہ پیدا ہوئی تو سچے اور حقیقی مسلمان کی حیثیت سے ہندوستان میں بقاء مسلم ناممکن ہوگا۔

بلا شبہ مقاصد جمعیۃ العلماء کو نقصان پہنچانا مذہب اور مذہبیت کے لئے پیغام فنا ہے۔ اخبار یا مبلغین کی تبلیغ، مقاصد کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے جمعیۃ العلماء کی مالی حالت سر دست ان دونوں کی متحمل نہیں۔

لہذا بنام خدا تجارتی اصول پر شعبہ نشر و اشاعت کا افتتاح کیا جاتا ہے۔ یہ شعبہ مقاصد جمعیۃ العلماء کی تشریح اور نظریات جمعیۃ کی توضیح وغیرہ اہم امور کے لئے رسالے اور ٹریکٹ، چھپوا کر فروخت کرے گا اور تمام ہی خواہان جمعیۃ العلماء سے توقع رکھے گا کہ وہ ان رسالوں کی فروخت و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ توجہ فرما کر جمعیۃ العلماء کی آواز کو ہر سننے والے کان اور ہر سمجھنے والے دل تک پہنچا دیں۔ واللہ الموفق و ہو المعین ؂

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ

النبی الامی الکریم

آزادی اجتماعی زندگی انسان کی فطرت ہے۔ نوع انسان کو ورنہ کم از کم ایک ملک کے انسانوں کو ایک جسم قرار دے کر اس کی صحت کے تحفظ اور ترقی اور اس کی بیماریوں اور خرابیوں کے زائل کرنے کی تدابیر سوچنا اور ان کو نافذ کرنا سیاست یا نظام حکومت کہلاتا ہے۔ اور انہی تدابیر کا نام قانون ہے۔

کسی قوم یا کسی جماعت کو ان تدابیر کے سوچنے اور ان کو نافذ کرنے کا خود اختیار ہو۔ یہ آزادی ہے۔

آزادی مذہب کسی مذہب کے ماننے والوں کو اس مذہب کے احکام اور مراسم جاری کرنے کا خود اختیار حاصل ہو۔ نہ وہ کسی دوسرے کی منظوری کے محتاج ہوں نہ اجراء کے لئے کسی دوسری قوت کے دست نگر ہوں۔ یہ ہے مذہبی آزادی یا مذہبی خود مختاری۔

کم و بیش نو سو سال ہندوستان کے مختلف حصوں یا پورے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت رہی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کی حکومت اسلامی طرز پر تھی۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس دور میں اسلامی احکام اپنی قوت و اختیار سے نافذ اور جاری کرنے کی طاقت ضرور حاصل تھی۔

علماء شریعت کی جد و جہد ہمیشہ یہی رہی کہ اسلام کا وہ مکمل قانون جو ہر ایک طبقہ کے لئے سراسر عافیت اور رفاہیت ہے۔ ہندوستان میں نافذ ہو۔

اس جد و جہد میں بسا اوقات ان کو استبداد اور ملوکیت کے دیوتاؤں سے ٹکرانا پڑا

اور بسا اوقات اس تصادم میں وہ کامیاب بھی ہو گئے۔

اقتدار مغلیہ کے زوال کے بعد قوانین اسلام کا نفاذ تو درکنار خود اسلام کا ہندوستان میں باقی رہنا بھی مشکل تھا۔

اس وقت تحفظ اسلام کی تمام تر ذمہ داری علمائے شریعت پر تھی جن کو انبیاء علیہم السلام کا وارث اور مذہبی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کا قائد اور ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی لئے عام مسلمانوں پر ان کی اتباع فرض گردانی گئی ہے۔

سرزمین ہند کا چپہ چپہ شاہد ہے کہ علماء ملت نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

(الف) غالباً عظمت و اقتدار کے بوالہوسوں نے خیال کر لیا تھا کہ سلطنت مغلیہ کی طرح ہندوستان کو اسلام، تعلیمات اسلام، اور تہذیب مسلم کا قبرستان بھی بنایا جا سکتا ہے مگر وہ کون سی جماعت تھی جو سامنے آئی اور ان تمام ہوسناکیوں کو فریب نظر ثابت کر دیا۔

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝	وہ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے مونہوں کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا۔ یہ کافر خواہ کتنی ہی کراہیت کریں۔

کس نے پیکر عمل بن کر ثابت کیا کہ ـــ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ‏ ‏ ‏ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(ب) عیسائیوں کی دولتمند اور سونا لٹانے والی مشنریاں جو کروڑوں[1] روپیہ ہر سال ہندوستان پر خرچ کرتی ہیں۔

دریائے سرسوتی کی وہ طوفان انگیز ٹولیاں جو شدھی اور سنگھٹن کے دھیان میں مگن رہتی ہیں ہر ایک انصاف پسند سے سوال ہے کہ ان سب کو اس وقت تک کس نے ناکام کیا؟

(ج) کون نہیں جانتا کہ گذشتہ سو سال میں یعنی جب سے حکومت کی پشت پناہی سے محروم ہو کر تحفظ اور ترقی ملت کی تمام ذمہ داری ان غریب علماء کے کندھوں پر پڑی ہے۔ مسلمانوں کی مردم شماری میں تین گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ اگر کسی جد و جہد کا نتیجہ ہے تو

---

[1] معلوم ہوا ہے کہ عیسائی مشنریاں ہندوستان میں ہر سال ساٹھ کروڑ روپیہ خرچ کرتی ہیں۔

وہ مجاہد جماعت کون سی ہے۔

عیسائیت کے لئے اس خطرناک خدمت کا الزام مسٹر آرنلڈ تو اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں علماء پر ہی لگا رہے ہیں۔

(۵) صرف یورپین کلچر ہی ترقی مسلم کا ذریعہ ہے۔

یہ ایک ندا تھی جو اس طوفانی دور میں بلند کی جا رہی تھی۔ پرائے نہیں اپنے ہی کافر نہیں بلکہ ہی خواہان ملت کے دعویدار ہی اس ندا کو بلند کر رہے تھے اور ہر قسم کے کل کانٹوں سے لیس ہو کر اپنے فسون قاہرہ کے ساتھ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنا رہے تھے لیکن کون تھا جس نے ہر قسم کے طعنے سنے۔ ستم و جفا کے ہر ایک حملہ کو برداشت کیا کیونکہ ان کا نصب العین یہی خداوندی ارشاد تھا اور اسی ربانی اعلان کے لئے انھوں نے زندگیاں وقف کی تھیں کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ	حقیقت یہی ہے کہ تمہارے لئے صرف رسول اللہ صلعم کی ذات ہی میں اسوۂ حسنہ ہے۔

یہ سیاست کی نیرنگیاں ہیں کہ دقیانوسیت کا طعن دینے والے آج دقیانوسیت کی پناہ لے رہے ہیں۔

اللّٰهُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ ۔ آمین

(۶) کتنی بجلیاں تھیں جو ہر ایک سمت سے کوند کوند کر خرمن اسلام کو نذر آتش کرنا چاہتی تھیں لیکن علماء ربانی کی الہامی فراست اور دور اندیش فرزانگی نے اسلام، تعلیمات اسلام اور تہذیب اسلام کے دوامی اور سرمدی بقاء و تحفظ کے لئے سیاست نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ایک نسخۂ کیمیا حاصل کیا۔ وہ ایسے دینی مدارس عربیہ کا قیام تھا جو حکومت اور سیاست کے ہر ایک اقتدار اور ارباب حکومت کے ہر ایک احسان سے آزاد رہ کر خالص اور ٹھیٹ مذہبی دستور العمل کے بموجب نونہالان ملت کی تربیت کریں۔

دنیا اس مفلس اور بے نوا جماعت پر خندہ زن تھی مگر ان پاکباز اللہ والوں نے بے نظیر جانفشانی اور بے مثال ایثار اور خلوص سے ایک صدی سے بھی کم میں ہندوستان کے طول و عرض میں آزاد مدارس عربیہ کا وہ نظام قائم کر دیا جس کی نظیر نہ دنیا کا کوئی اسلامی

ملک پیش کر سکتا ہے اور نہ اقوامِ عالم کی کوئی تاریخ اس کی مثال آسانی سے لاسکتی ہے۔

جبکہ ہندوستان کا تعلیمی نظام غریبوں پر اعلیٰ تعلیم کے دروازے بند کر رہا تھا۔ کالجوں اور اسکولوں کی گرانقدر فیس نادار اور مفلس نونہالانِ ملت کے لئے جہالت اور ذلت کی موت کا فیصلہ صادر کر رہی تھی۔ یہ حامیانِ ملت اور وارثانِ انبیاء علیہم السلام ان درماندہ اور پامال بچوں کو آغوشِ شفقت میں چھپا کر ان کو عالمِ دین اور زعمارِ ملت بنا رہے تھے۔

اگر سرکاری اسکولوں کے سارٹیفکٹوں کی سرکاری اہمیت کو نظرانداز کر دیا جائے اور حقیقی قابلیت اور علمیت کو معیار قرار دے کر مقابلہ کیا جائے تو علمارِ ملت کی یہ پاکباز جماعت بجا اور صحیح طور پر فخر کر سکتی ہے کہ گزشتہ سو سال میں سرکاری اسکولوں اور کالجوں نے اربوں روپیہ طلبار کی جیب سے نکال کر جس قدر تعلیم دی ہے اس سے کہیں زیادہ ان بے نوا علمار نے علم کی اشاعت کی ہے جن کا سرمایہ توکل علی اللہ اور اعتماد علی اللہ رہا ہے اور جنہوں نے فیس کے بجائے طلبار کی جملہ ضروریات حتیٰ کہ پڑھنے کی کتابوں کا انتظام بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے اور اپنی خودداری اور عزت پر خاک ڈال کر عام مسلمانوں سے بھیک مانگ کے اپنی اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے۔

درحقیقت ان مدارس عربیہ کا قیام مسلمانوں کے لئے نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوا۔ اسلامی تہذیب [ع۵]

ع۵ ۱۸۵۷ء کے جہادِ حریت اور انقلاب میں جن لوگوں نے آگے بڑھ کر حصہ لیا اور ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے پاک کرنے کی کوشش کی ان کو حاجی امداد اللہ مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی کے ناموں سے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے دو گروپ ہو گئے۔

ایک برطانوی حکومت کا معاون مغربی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا حامی کتاب اللہ میں تفسیر بالرائے کرنے والا، اس کا مرکز علی گڑھ اور اس کے قائدِ اعظم سر سید احمد خاں صاحب۔

دوسرا برطانوی حکومت کا ہندوستان میں مخالف، اسلامی تہذیب و تمدن و معاشرت کا حامی و داعی کتاب و سنت کا پیرو، اس کا مرکز دیوبند اور اس کے رہنما حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے جانشین حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۷)

ومعاشرت کے جو کچھ آثار آج ہندوستان میں نظر آرہے ہیں وہ انہیں مدارس کی برکت ہے
علم دین اور پابندی شریعت کی وہ روشنی جو دوسرے آزاد ممالک کو بھی نصیب نہیں ہندوستان
کو اس امتیازی شان کے ساتھ صرف انہیں مدارس کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور
جب تک ان مدارس کا نظام ہندوستان میں آزادانہ طور پر باقی ہے۔ اس روشنی کی ضیاء
پاشیوں کو کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ہندو مسلم تصادم کے موجودہ دور میں بہت سی تجویزیں سوچی جاتی ہیں مگر عمل سے
بیشتر ان کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غور و فکر یا بحث و مناظرہ
مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ اور عمل اور نفع دوسروں کا حصہ ہو جاتا ہے۔

لیکن علماء ملت کے اس تدبر اور حسن سلیقہ پر جس قدر تحسین و آفرین کی جائے کم ہے
کہ ان دینی مدارس کا نظام جو اغیار کے ہر ایک اثر سے مطلقاً پاک ہیں۔ ہندوستان کے
گوشہ گوشہ میں اس طرح قائم کر دیا گیا کہ دوسروں کو اس کا احساس بھی نہ ہوا۔

بلاشبہ دوسری قوموں کو حق ہے کہ وہ مسلمانوں کی اس خوش قسمتی پر رشک کریں۔
یوروپین ڈپلومیسی کی بوقلمونی ملاحظہ ہو کہ علماء ملت کے اس مقدس کارنامہ اور مسلمانان
ہند کی اس دولتِ عظمٰی پر پردہ ڈال کر وہی لوگ اسلامی کلچر پر ماتم کر
رہے ہیں۔ جو ہمیشہ اسلامی تہذیب کی جڑیں اکھاڑنے میں مصروف رہے۔ اور
آج بھی ان کی عملی دنیا اسلامی آداب اور اسلامی تہذیب سے قطعاً
ناآشنا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۶) دونوں طبقے اپنے اپنے اصول پر کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۱ء کی تحریک
خلافت و ترک موالات نے سرسید گروپ کے کچھ لوگوں کو مذہب کی طرف مائل کر دیا۔ اور وہ
اسلامی طبقے کے ساتھ مل کر اس تحریک میں شریک ہو گئے اور کچھ لوگ جو الحاد و بیدینی کے رنگ میں پوری
طرح رنگے ہوئے تھے وہ اس دینی تحریک کی سخت مخالفت کرتے رہے۔ چنانچہ جس وقت ان کو موقع ملا وہ عوام کے سامنے
آگئے اور اپنے رنگ میں ان کی تربیت شروع کر دی۔ اس وقت سرسید گروپ کی اکثریت مسلم لیگ میں شریک ہے اور اسکے
قائد اعظم مسٹر جناح ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی جماعت جمعیۃ علماء ہند میں شریک ہے اور اسکے رہنما شیخ الاسلام
حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ہیں۔ ز لقیب - ۵ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ۔

(ز) علماء ہند اور جنگ آزادی

پریس کی قانونی بندشیں اگر اُٹھالی جائیں تو علمبرداران حریت ہند کی جو تاریخ تعصب اور جنبہ داری سے پاک کر کے مرتب کی جائے گی۔ اس میں سب سے پہلے انہیں علماء ملت کے نام ہوں گے جنھوں نے صرف بچاسی[۵] سال کی قلیل مدت میں جہاد بالسیف کے ذریعہ سے آزادی وطن اور اسلامی اقتدار کو دوبارہ زندہ کرنے کی چار[۶] مرتبہ منظم جدوجہد کی۔

حتیٰ کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم نے تمام دنیا کی سیاست کا نیا جغرافیہ مرتب کیا اور اس جدوجہد کی کامیابی کے امکانات ایک ایک کر کے ختم کر دیئے گئے۔

جمعیۃ العلماء کا قیام

ایثار اور قربانی کی خوگر جماعت جس کی فطرت آزاد اور جس کی سرشت حریت اور استقلال کے جذبات سے لبریز ہے۔ اس وقت بہت پریشان تھی۔

---

۵ احقر نے "علماء ہند کی شاندار ماضی" میں ان مجاہدین کے مجاہدوں کا مختصر اور ناتمام تذکرہ کیا تھا مگر ڈیفنس آف انڈیا کی زنجیروں نے اس کو جکڑ بند کر دیا ۱۲ منہ

۶ پہلی تحریک حضرت سید احمد صاحب شہید اور حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کی زیر قیادت جو ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق مئی ۱۸۳۱ء کو ان دونوں بزرگوں کی شہادت پر ختم ہوئی۔

دوسری تحریک ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت جس کو غلطی اور مخالف پروپیگنڈہ سے مرعوبیت کے باعث غدر ۵۷ء کہا جاتا ہے حالانکہ وہ جہاد حریت تھا۔

تیسری تحریک جو علماء صادق پور کی قیادت میں حضرت سید صاحب و مولانا اسمٰعیل صاحب کی شہادت کے بعد عرصہ تک جاری رہ کر ۱۸۶۴ء کے مشہور مقدمہ انبالہ پر ختم ہوئی۔

چوتھی تحریک جو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند قدس سرہ العزیز کی زیر قیادت جو ریشمی رومال کی تحریک سے مشہور ہے جس نے ۱۹۱۹ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی ہدایت کے بموجب عدم تشدد اور ہندو مسلم اشتراک و تعاون کے ذریعہ "حصول آزادی وطن کی جدوجہد" کی شکل اختیار کر لی۔

یکایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکہ والی مقدس زندگی نورِ ہدایت بن کر سامنے آئی۔
"مقاومت بالصبر" یعنی صحیح نصب العین کو سامنے رکھ کر تمام مصائب کو صبر و تحمل سے انگیز کرنا اور مارنے کے بجائے قربان ہونا تاآنکہ نصب العین حاصل ہو۔ اس سیزدہ سالہ مقدس زندگی کا اصل اصول تھا۔ یشیہ اللہ قولہ تعالیٰ۔ کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ (سورہ نساء)

جنگ عظیم کے بعد سنہ ۱۹۱۹ء میں یعنی جبکہ ہندوستان کی تمام حریت پسند جماعتیں "ریولیوشن" اور پرتشدد انقلاب کے تیر و کمان کو توڑ کر صرف مقاومت بالصبر یا عدم تشدد اور اہنسا کے اصول ہی کو آخری چارہ تسلیم کر چکی تھیں اور یہ طے کر چکی تھیں کہ باہمی اشتراک و تعاون کے بغیر عدم تشدد کے اصول پر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ علماء ملت کی اسی دوراندیش جماعت نے مقاومت بالصبر اور مشترک جد و جہد کے اصول کو تسلیم کرنے اور کانگرس میں شریک ہونے کے ساتھ ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری سمجھا۔ جس کا نصب العین شرعیات کا تحفظ ہو۔ اور جو مشترک جماعت کے لائحہ عمل اور تجاویز پر مذہبی روشنی میں غور و خوض کرکے مذہبی اصول اور احکام کے بموجب مسلمانوں کی رہنمائی کرتے رہے۔ یہ جماعت "جمعیۃ علماء ہند" ہے۔[عہ]

عہ قیام جمعیۃ العلماء کے وجوہ اور حالات حسب ذیل اقتباس سے معلوم ہوں گے جو جمعیۃ کی روئداد سے لئے گئے ہیں
۲۴ نومبر سنہ ۱۹۱۹ء کو جب دہلی میں خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ اتحادیوں سے عموماً اور حکومت برطانیہ سے خصوصاً ان وعدوں کے ایفاء کا مطالبہ کیا جائے جو مسلمانوں سے جنگ عمومی کے وقت کئے گئے تھے تو خلافت کے اس جلسہ میں علماء نے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ انہیں ایک رابطہ میں منسلک کیا جائے جن کی اجتماعی قوت کو سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے بالکل منتشر کر دیا تھا۔ ہندوستان کی سیاست محض خوشامد چاپلوسی اور اظہار وفاداری پر محدود ہو چکی تھی۔ گویا کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا سیاست دان وہ شخص سمجھا جاتا تھا جو حکومت مسلطہ کا سب سے بڑا وفادار ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء مذہب جو طبعاً خوشامدانہ چاپلوسی سے متنفر ہیں اور جو بڑے جابر بادشاہوں کے مقابلہ میں اعلاء کلمۃ الحق کے عادی رہے ہیں اس سیاست سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے نیز سنہ ۱۸۵۷ء میں علماء حق کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا گیا تھا اور جس بیدردی کے ساتھ علماء ہند کو پھانسی اور جلاوطنی کی وحشیانہ سزائیں دی گئی تھیں اس کا مقتضا قدرتاً یہ ہوتا تھا کہ علماء کو مجبوراً گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرنی پڑی چونکہ مسلمانوں کی سیاست نے سنہ ۱۹۱۹ء میں پھر پلٹا کھایا اور خوشامد و تملق کی پالیسی تبدیل ہوئی تو علماء نے بھی دوبارہ سیاسی میدان عمل میں قدم رکھا اور جمعیۃ علماء ہند کو قائم کیا (روئداد)

اغراض و مقاصد

دستور العمل جمعیۃ علماء ہند کے الفاظ میں اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں :-

دفعہ ۳ - اسلامی نقطۂ نظر سے ملت اسلامیہ کی حسب ذیل امور میں رہنمائی اور جدوجہد کرنا۔

(الف) اسلام - مرکز اسلام (حجاز) جزیرۃ العرب اور شعائر اسلام کی حفاظت - اور اسلامی قومیت کو نقصان پہنچانے والے اثرات کی مدافعت۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی اور وطنی حقوق اور ضروریات کی تحصیل و حفاظت :-

(ج) علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

(د) ملت اسلامیہ کی شرعی تنظیم اور محاکم شرعیہ کا قیام۔

(ہ) شرعی نصب العین کے موافق قوم اور ملک کی کامل آزادی۔

(و) مسلمانوں کی مذہبی، تعلیمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اصلاح اور اندرون ملک ... حسب استطاعت اسلامی تبلیغ و اشاعت۔

(ز) ممالک اسلامیہ اور دیگر ممالک کے مسلمانوں سے اسلامی اخوت و اتحاد کے روابط کا قیام و استحکام۔

(ح) شرعی حدود کے مطابق غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات کا قیام۔

ع۵ دستور العمل منظور شدہ اجلاس مجلس مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند منعقدہ ۷، ۸، ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹ مئی ۱۹۳۹ء بمقام مراد آباد کے الفاظ یہ ہیں جو درج کئے گئے۔ اس سے پہلے دستور العمل کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

دفعہ ۳ - مذہبی نقطۂ نظر سے ... اہل اسلام کی سیاسی اور غیر سیاسی امور میں رہنمائی کرنا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) اسلام، مرکز اسلام (جزیرۃ العرب و مستقر خلافت) شعائر اسلام - اسلامی قومیت کو ضرر پہنچانے والے اثرات کی شرعی حیثیت سے مدافعت کرنا (باقی صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمایئے)

خدمات جمعیۃ علماء ہند

ایک وہ جماعت جس کی بے نظیر قربانیوں کو پامال کرکے باستثنار چند قوم کا ہر تمغی قیادت اور قوم کا ہر ایک اخبار اس کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہو۔ اور قوم نے عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر سر آنیوالی آواز پر کان لگا لیا ہو۔ تعاون اور امداد تو در کنار کلمۂ خیر اور معمولی مجلسی آداب سے بھی محروم کر دیا ہو۔ جہاں شئے، پنڈت، سوامی، ملت فروش، ضمیر فروش اور اس سے بھی زیادہ سخت اور گندے الفاظ جن کو کسی ادنی مسلمان کیلئے بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پیکر صدق و صفا، مجسمۂ ایثار و فدائیت محدث وقت شیخ کامل سیدی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ العالی۔ فقیہ وقت، مفکر عصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی مجسمۂ اخلاص و صداقت، نمونۂ زہد و تقوی۔ مدبر وقت، ماہر سیاست، عالم باخدا، امیر شریعت مولانا محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز۔ سحبان الہند، جانباز و ایثار شیوہ، عالم مشفق، حضرت الحاج مولانا احمد سعید صاحب۔ پیکر ایثار و اخلاص مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب وغیرہ جیسے بزرگ اور اکابر ملت کے لئے اخبارات کے کالموں میں چھاپے جاتے ہوں (یعنی ایسے علماء مجاہدین کے لئے جنہوں نے اپنی جوانی کے تمام کیف و نشاط خدمت قوم پر نثار کرکے بڑھاپے کے اضمحلال و نقاہت کو بھی نظر انداز کر دیا ہو۔ اور خدمت قوم کے لئے ہمہ تن

(بسلسلہ صفحہ ۸) (ب) مشترکہ مذہبی حقوق کی تحصیل و حفاظت اور مشترکہ مذہبی وطنی ضروریات کو حاصل کرنا۔ (ج) علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا (د) مسلمانوں کی تنظیم اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح۔ (ہ) غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات اس حد تک قائم رکھنا جہاں تک شریعت اسلامیہ نے اجازت دی ہو۔ (و) شرعی نصب العین کے موافق مذہب و وطن کی آزادی (ز) شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے محاکم شرعیہ کا قیام (ح) اندرون ہندوستان اور بیرونی ممالک میں تبلیغ اسلام کرنا (ط) بیرونی ممالک کے مسلمانوں سے اسلامی اخوت و اتحاد کے روابط قائم رکھنا اور مستحکم کرنا۔

جداجدا اور سعی پیہم ہوں۔

اونچی سے اونچی اور معمولی سے معمولی مجلسوں میں حتیٰ کہ اللہ کی پاک مساجد میں ان منبروں کے اوپر جو وارثانِ انبیاء علیہم السلام کے اعزاز واکرام کے لئے بنائے گئے ہیں اور پھر عام کوچوں اور بازاروں میں لعن طعن سب وشتم غرض ہر ایک تیر ہو جو ان پاک نفوس پر تاک تاک کر پھینکا جارہا ہو اور ان کے پاک سینوں کو چھلنی بنایا جارہا ہو۔

کیا ممکن ہے کہ اس روح فرسا اور جگر سوز فضا میں کوئی ایک خدمت بھی انجام دیجا سکے خواہ نظریہ کتنا ہی اونچا ہو اور مقصد کتنا ہی پاک ہو لیکن یقیناً اور یقین رکھتا ہوں کہ یقیناً خدا کے معصوم فرشتوں نے ان حضرات کی خدمات کو اپنے پاک صحیفوں میں آبِ زر سے بھی زیادہ بہتر روشنائی سے لکھ رکھا ہے اور اس خیال سے کہ خدا کے بہت سے بندے ہیں جو حق وصداقت کی آواز کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیا کرتے ہیں ہم بھی ایک مقصد کے ماتحت جمعیۃ العلماء کی چند خدمات[2] کا تذکرہ کرتے ہیں۔

یقین ہے کہ صداقت پسند ناظرین کرام غور سے مطالعہ فرما کر دست تعاون بڑھائیں گے اور اس خادم ملت جماعت کو زیادہ سے زیادہ خدمات کا موقع دیکر خود اپنے لئے اور اپنی آئندہ نسلوں کیلئے دینی اور دنیاوی فلاح وبہبود کا ذریعہ بنیں گے۔ واللہ الموفق وہو المعین۔

مقاصد جمعیۃ علماء ہند

(الف) اسلام مرکز اسلام (حجاز جزیرۃ العرب) اور شعائر اسلام کی حفاظت اور اسلامی قومیت کو نقصان پہنچانے والے اثرات کی مدافعت

عدم تعاون کا فتویٰ | ۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم کے سلسلہ میں جبکہ یورپ کی فرنگی

---

[1] امیر شریعت حضرت مولانا سید محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز ملی اور قومی خدمات انجام دیتے ہوئے تقریباً ستر سال کی عمر میں وفات پا چکے ہیں۔ طاب اللہ ثراہ [2] جمعیۃ العلماء کی تمام خدمات کی تفصیل کیلئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں ہم اس ٹریکٹ میں صرف ان خدمات کا ذکر کرتے ہیں جن کو مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی ناظم مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند نے ایک رسالہ مسمی "تذکرہ" میں شائع کیا تھا۔

طاقتوں نے ترکی حکومت کے ختم کر دینے اور خلافت اسلامیہ کو تباہ کر دینے کا فیصلہ کرلیا اور حجاز مقدس پر قبضہ جمانے کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں نے اپنی بصیرت سے ترک موالات اور عدم تعاون کے قدیم اسلامی حربہ کے استعمال کا فیصلہ کیا اور تمام مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے عدم تعاون کے پروگرام کے متعلق ایک متفقہ فتویٰ تیار کیا جس کو لے کر خلافت کمیٹی اور کانگریس کے رہنما اور کارکن حکومت وقت کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے۔

حکومت نے اس فتوے کو ضبط کیا اور علماء ہند کو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کیا اور ہزاروں ہزار مسلمانوں کو سخت سے سخت مصائب میں مبتلا کر کے اپنی جبروتی طاقت کا پورا مظاہرہ کیا۔ مگر خدا کے فضل اور ہمدردان جمعیۃ علماء ہند کے خلوص و ہمت سے کارکنان جمعیۃ علماء ہند اور عام مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں ہوئی اور آخر حکومت کی چولیں بھی اپنی اصل جگہ پر باقی نہ رہیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی سرفروشی اور ترکوں کی تلوار کے ذریعہ اللہ پاک نے ترکوں کی حکومت کو فنا ہونے سے بچالیا اور اس سلسلہ میں ترکوں نے مسلمانان ہند کا شکریہ ادا کیا۔

حجاز میں مؤتمر اسلامی | حجاز پر شریف مکہ کے بجائے ابن سعود کا قبضہ ہوگیا تو جمعیۃ علماء ہند نے ان کو ایک مؤتمر اسلامی منعقد کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہاں صحیح طریقہ پر نظام حکومت قائم ہو۔ چنانچہ سلطان ابن سعود نے اس مشورہ کو قبول کیا اور ایک مؤتمر اسلامی منعقد کی جس میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک نمائندہ وفد شریک ہوا اور مناسب مشورہ دے کر ایک اہم اسلامی اجتماعی فریضہ کو ادا کیا۔

اعراب فلسطین کی امداد | فلسطین کے عرب اور مسلمان باشندوں پر برطانوی حکومت نے مظالم شروع کئے اور یہودیوں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا شروع کر دیا تو جمعیۃ علماء ہند نے ان کے خلاف احتجاج کیا اور ہندوستان میں کانفرنسیں منعقد کر کے فلسطینی باشندوں کے مطالبات کی پر زور تائید کی اور ہندوستان میں ایک عام ہیجان پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ مصر میں فلسطین کے مسائل پر تملم

دنیا کے مسلمانوں کی ایک مؤتمر منعقد ہوئی جس میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے صدر جمعیۃ علماء ہند کی سرکردگی میں ایک وفد نے اس مؤتمر اسلامی میں شریک ہو کر اسلامی نقطہ نظر سے صحیح مشورہ پیش کیا۔

چنانچہ وہاں جو تجویزیں منظور ہوئیں وہ تقریباً ان ہی اصولوں کی روشنی پر مبنی ہیں جو اس محترم وفد نے پیش کئے تھے۔ اس وفد کی رپورٹ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔

معلمین حج کا قانون اسی زمانہ میں حکومت نے معلمین حج کا مسودۂ قانون مرکزی اسمبلی میں پیش کیا جو اسلامی نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک تھا "یعنی اس قانون سے حجاز مقدس میں برطانوی اقتدار کے لئے آسانی کے ساتھ راہ کھل جاتی" جمعیۃ علماء ہند نے اس مسودہ کی خطرناکی کو نڈر ہو کر واضح کیا اور اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ اور یہ مطالبہ کیا کہ یہ مسودہ واپس لیا جائے اور کسی صورت سے بھی اس کو قانون کی شکل نہ دی جائے۔ آخر جمعیۃ علماء ہند کی پیہم کوششوں سے متاثر ہو کر حکومت ہند نے اس مسودہ کو واپس لے لیا۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی و وطنی حقوق اور ضروریات کی تحصیل و حفاظت

مسلمانوں کے دستوری مطالبات ۱۹۲۸ء میں کانگریس کی رہنمائی آل پارٹیز نے جب ہندوستان کے لئے دستور حکومت کا ایک خاکہ تیار کیا جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہے تو جمعیۃ علماء ہند ہی مسلمانوں کی وہ واحد جماعت ہے جس نے اس رپورٹ پر ملکی اور اسلامی مفاد کو پیش نظر رکھ کر ایک تنقیدی رپورٹ تیار کی جس میں ان تمام امور کو وضاحت سے درج کیا جس کا اسلامی نظام اور اسلامی مفاد کے تحفظ کے لئے دستوری حکومت ہند میں ہونا ضروری ہے۔ وہ رپورٹ اسی زمانہ میں

مسلم شادی بیاہ کے قانون کا مسودہ پیش ہوا اس باطل مسودہ کی مخالفت کی طرف مسلمانوں کی کسی انجمن نے کوئی توجہ [illegible] بھیجا گیا اور بعض مسلم ممبروں کو آمادہ کیا تھا کہ وہ اس مسودہ کی مخالفت کریں مسودہ کی خواندگی کے دن مرکزی

چھاپ کر کتابی شکل میں شائع کر دی گئی اور مولانا محمد علی مرحوم کے ذریعہ اس کو آل پارٹیز کے کنونشن میں بمقام کلکتہ بھیج دیا گیا۔

اور ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ آج تقریباً بارہ برس کے بعد ہندوستان کے قابل اعتماد اور سرفروش رہنمائے اسلام اور قوم پرور مسلمان تقریباً ان ہی اصولوں کو دستور حکومت میں شامل کرنے کے خواہش مند ہیں جیسا کہ آزاد مسلم کانفرنس دہلی منعقدہ اپریل ۱۹۴۰ء کے فیصلے سے ظاہر ہے

مسلم کانفرنس کا دستوری فارمولا

۱۹۲۹ء کی ابتداء میں جب دہلی میں تمام اسلامی جماعتوں کا ایک اہم جلسہ مسلم کانفرنس کے نام سے اس غرض سے منعقد ہونا طے پایا کہ ہندوستان کے مجوزہ دستور حکومت میں مسلمانوں کے مذہبی و قومی حقوق کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کا ایک متفقہ فارمولا تیار کر لیا جائے تو جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے باضابطہ نمائندے اس کانفرنس کی شرکت کے لئے منتخب کئے۔ اس کانفرنس میں خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء اور شفیع لیگ نے پورا حصہ لیا اور جناح لیگ نے اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ مگر الحمد للہ کہ یہ کانفرنس حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد علی مرحوم اور شفیع مرحوم کی انتھک کوششوں سے پوری طرح کامیاب ہوئی اور اس وقت کے ماحول کے اعتبار سے ایک بہتر فارمولا تیار ہو گیا جس پر یہ سب جماعتیں متفق ہو گئیں۔ اور جب فارمولا شائع ہو گیا تو جو مسلمان گول میز کانفرنس لندن میں شریک ہوئے تھے ان کے ہاتھوں میں اس کانفرنس کے تیار کردہ فارمولے کے سوا اور کچھ نہیں تھا مگر افسوس ہے کہ وہ اس پورے فارمولے کو اپنی کوتاہی سے دستور حکومت میں شامل نہیں کرا سکے۔ تاہم دستور حکومت ۱۹۳۵ء میں مسلمانوں کو جو کچھ ملا ہے وہ ایک حد تک اسی فارمولے پر مبنی ہے جو ۱۹۲۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی شمولیت کے ساتھ مسلم کانفرنس دہلی نے تیار کیا تھا جس کی تیاری میں مسٹر جناح اور ان کی لیگ کو ادنیٰ تعلق بھی نہ تھا لیکن بعد میں جب شفیع لیگ

اور جناح لیگ میں اتفاق ہو گیا تو مسلم کانفرنس کا وہی فارمولا جناح کے چودہ نکات کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔

ساردا ایکٹ کی مخالفت

سنہ ۱۹۲۹ء میں حکومت ہند کی مرکزی اسمبلی میں ایک ایسا قانون پاس ہوا جس کی رو سے اسلام کے قوانین ازدواج میں مداخلت بے جا کی گئی۔ جو ساردا ایکٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قانون کی مخالفت جمعیۃ علماء ہند نے پوری طاقت سے کی اور اس قانون کی بنا پر جمعیۃ علماء ہند نے سول نافرمانی کا فیصلہ کیا۔ اور اسلامی حدود کے اندر حکومت کے اس باطل قانون کی خلاف ورزی کر کے اس قانون کو بے اثر بنا دیا۔ کیونکہ اس وقت تمام ہندوستان اور برما تک کے مسلمانوں نے جمعیۃ علماء ہند کی آواز پر لبیک کہا اور ہر قسم کی مالی و جانی قربانی کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس باطل قانون کی مخالفت کے وقت بھی جمعیۃ العلماء ہند نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ سب تعبیریں محکومی اور غلامی کے نتائج ہیں اور ان سب خرابیوں کا بنیادی علاج یہ ہے کہ مکمل آزادی حاصل کی جائے۔

حجاج کیلئے نیا قانون

حکومت ہند نے برطانوی پالیسی کے ماتحت حجاج بیت اللہ اور زائرین مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے والے قوانین کا مسودہ پیش کیا تو اس کی ترمیم و اصلاح کے لئے صرف جمعیۃ علماء ہند ہی نے قدم اٹھایا اور ہزاروں روپیہ صرف کر کے پورے ملک میں اس غرض کے لئے پوسٹر و اشتہارات شائع کر کے حکومت مجبور کیا کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کی ترمیموں کو قبول کرے یا مسودہ کو واپس لے لے چنانچہ قانون کے دو مسودوں میں حکومت نے کچھ ترمیمیں قبول کر لیں۔ اور اگر مرکزی اسمبلی کے مسلمان حکومت کی پشت پناہی نہ کرتے تو امید تھی کہ جمعیۃ علماء کی تمام ترمیمیں قبول کر لی جاتیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی اس اہم خدمت کی طرف جمعیۃ علماء ہند کے سوا مسلمانوں کی

کسی انجمن نے کوئی توجہ نہیں کی ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء کے اخبارات کے فائل میں ان حقائق کو اچھی طرح دیکھا جا سکتا ہے۔

اسلام کے معاشرتی قوانین

صوبہ سرحد و صوبہ پنجاب، صوبہ بمبئی وغیرہ میں اسلام کے معاشرتی قوانین کی بجائے بہت سے مسلمان غیر اسلامی رواج پر عمل درآمد کرتے تھے۔ اور برطانوی عدالتیں اسلامی قانون کے معاملہ میں رواج کو ترجیح دیتی تھیں۔ مثلاً لڑکیوں کو ماں اور باپ کے متروکہ میں سے رواج کی بنیاد پر کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔

جمعیۃ علماء ہند نے بارہا مسلمانوں کو اس رواج کے توڑنے اور شریعت[۱] اسلامیہ پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ علماء حق نے وعظوں میں مسلمانوں کو نصیحتیں کیں اخبارات میں مضامین لکھے مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کیونکہ برطانوی عدالتیں رواج کے مطابق فیصلہ کرنے پر قائم تھیں۔ آخر مجبور ہو کر سب سے پہلے جمعیۃ علماء صوبہ سرحد نے ایک آئینی قدم اٹھایا۔ اور علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کی رہنمائی میں ایک مسودہ قانون "شریعت بل" کے نام سے تیار کیا جس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں پر نکاح، طلاق، مہر اور ترکہ وغیرہ میں اسلامی قانون نافذ ہو چنانچہ الحمد للہ صوبہ سرحد کی اسمبلی میں جمعیۃ علماء صوبہ سرحد اور مسلمانان سرحد کی کوششوں سے یہ شریعت بل قانون بن گیا جس سے اسلامی قانون کا وقار ایک حد تک قائم ہو گیا اور بہت سے مسلمان گناہ عظیم سے بچ گئے

کانگریس کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء کا متبادل دستوری فارمولا

۱۹۳۱ء میں کانگریس نے فرقہ وارانہ دستوری مسائل کے حل کے لئے ایک فارمولا تیار کر کے بغرض مشورہ ملک میں شائع کر دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس فارمولے سے

---

[۱] شریعت بل کی تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیے ۵۲ مگر افسوس مرکزی اسمبلی میں جب یہ قانون پہنچا تو مسٹر جناح نے اس میں ترمیم کر کے بیکار کر دیا کہ یہ قانون اختیاری ہو لازمی نہ ہو تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ ہو

بہتر کوئی نعم البدل فارمولا کسی کے پیش نظر ہو تو وہ پیش کرے۔

اس موقع پر ہندوستان کی تمام اسلامی جماعتوں میں صرف جمعیۃ علماء ہند ایک جماعت تھی جس کی مجلس عاملہ نے سہارن پور میں بیٹھ کر نہایت غور و خوض کے بعد کانگریس کے فارمولے کے مقابلہ پر ایک بہتر متبادل فارمولا تیار کیا۔ اس طرح پر کانگریس کے مجوزہ فارمولا کی مخالفت کی [1] اور وہ فارمولا کانگریس کے پاس بھیج دیا گیا۔ اگر اس فارمولا کے مطابق دستور حکومت ہند ۳۵ء بنایا جاتا تو مسلمانوں کی مذہبی و قومی مشکلات بہت زیادہ حد تک حل ہو جاتیں اور اسی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے یہ فارمولا ڈاکٹر اقبال مرحوم اور حافظ ہدایت حسین مرحوم شرکائے گول میز کانفرنس کے نام بھی روانہ کیا گیا کہ وہ دستور حکومت میں اس فارمولا کو شامل کرنے کی کوشش کریں۔ خاص کر مسلمانوں کے مذہبی حقوق اور مذہبی نظام کو دستور کے بنیادی حقوق میں درج کرانے کی سعی کریں۔ مگر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ ہم اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب گول میز کی کمیٹی میں بنیادی حقوق کے اندراج کا مسئلہ زیر بحث آیا اور مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم برطانیہ نے اس مسئلہ کے پیش ہونے پر یہ کہا کہ یہ تو بہت جھگڑے کی چیز ہے۔ دستور میں اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے تو ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی اس کی تائید کر دی [1]۔ اس طرح پر خود مسلمان لیڈروں کی کوتاہی یا غفلت سے دستور حکومت ہند ۳۵ء میں مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی حقوق کا پورا پورا تحفظ نہ ہو سکا۔ اور جمعیۃ علماء ہند کی مساعی جمیلہ ان کی وجہ سے بار آور نہ ہو سکیں۔

کمیونل ایوارڈ

۱۹۳۲ء میں جب کہ برطانیہ کے وزیر اعظم نے فرقہ وارانہ مسائل کا فیصلہ (کمیونل ایوارڈ) شائع کر دیا تو اس میں صوبہ سندھ کی علیحدگی اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی کا فیصلہ شامل نہ تھا۔ اور ہندوؤں کی مخالفت کی وجہ سے برطانوی حکومت ان دونوں مسئلوں میں مسلمانوں

---

[1] اور کس قدر بدقسمتی ہے کہ ہندوؤں سے مل کر ایک ایسا آئین مرتب کر لیا جو آج تک ملک کے لئے قابل قبول نہ ہو سکا۔ دیکھو ضمیمہ۔

کے مطالبات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی۔ اس نازک موقع پر قوم پرور مسلمانوں اور جمعیۃ علماء ہند کے ارکان اور کانگریسی لیڈروں کے باہمی مشورہ سے ایک یونٹی کانفرنس (اتحاد کانفرنس) فرقہ وارانہ مسائل کو باہمی گفت و شنید سے طے کرنے کے لئے الہ آباد میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا اکثر مسلم لیگی اور مسلم کانفرنسی لیڈروں نے بائیکاٹ کیا مگر جمعیۃ علمائے ہند کے ارکان اسلامی مفاد اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے اس کانفرنس میں شریک ہوتے رہے۔ آخر اس کانفرنس نے جب متفقہ طور پر سندھ کی علیحدگی کو تسلیم کرلیا اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کو آبادی سے زائد نمائندگی دینا بھی تسلیم کرلیا۔ اور اس کا اعلان عام ہوگیا تو برطانوی حکومت نے بھی ان دونوں مطالبوں کو یہ کہہ کر تسلیم کرلیا کہ چونکہ ان باتوں پر ہندوستان میں اب اتفاق ہوگیا ہے۔ اسلئے حکومت اس کو تسلیم کرتی ہے چنانچہ دستور حکومت ہند ۱۹۳۵ء میں یہ دونوں باتیں درج ہوگئیں۔

قوم پرور مسلمانوں اور جمعیۃ علماء ہند کے ارکان نے تو کانگریسی لیڈروں اور ہندوؤں سے یہ بھی تسلیم کرالیا تھا کہ پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کو (۵۱) فی صدی کی آئینی اکثریت ملنی چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ برطانوی حکومت نے دستور حکومت ہند میں اس متفقہ فیصلہ پر عمل نہیں کیا۔ اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی اس وقت (۵۶) فی صدی تھی۔ اس لئے تناسب آبادی کے لحاظ سے پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی (۵۶) کی اکثریت پر مشتمل ہونی چاہیئے تھی مگر چونکہ مسلمانوں کے سیاسی لیڈر بہار۔ یوپی۔ سی پی۔ مدراس۔ بمبئی۔ اڑلیسہ کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نمائندگی کے مدعی ہیں۔ اس لئے مجبوراً پنجاب میں سکھوں کو جو اقلیت

قابل یادداشت دوسری بات یہ ہے کہ اگر ۱۹۱۶ء میں یہ اصول تسلیم کرلیا جاتا کہ اسمبلیوں میں ممبران کی تعداد آبادی کی نسبت سے ہوگی تو پنجاب میں ۵۶ فی صدی اور بنگال میں ۵۴ فی صدی کی نسبت سے مسلمانوں کو ممبریاں ملتیں کیونکہ اس وقت مسلمان پنجاب میں ۵۶ فی صدی تھے اور بنگال میں ۵۴ فی صدی۔ مگر ان دونوں صوبوں کے فیاض طبع مسلمان لیڈروں نے مسلم اقلیت کے

میں ہیں اور جن کو برطانوی حکومت نے ۱۹۱۹ء سے ایک مستقل اقلیت قرار دے دیا ہے) ممبر ہونے والے مسلمانوں کے ظاہری اور جزوی نفع کی خاطر اپنے ممبروں کی تعداد گھٹا کر پنجاب میں پچاس اور بنگال میں چالیس فی صدی کرالی جس سے مسلم اقلیت کے صوبوں کو اس سے زیادہ نفع نہ پہنچا کہ ان کے ممبران کی تعداد کچھ بڑھ گئی اگرچہ وہ بالکل بے اثر اور بے سود ثابت ہوئی۔ مختصر یہ کہ مسٹر جناح صاحب کی سرکردگی میں بنے بنائے دو پاکستان مسلم اقلیت کے صوبے بنا دیئے گئے جس کی وجہ سے وہاں کے مسلمان کبھی اپنی اکثریت کی ایسی وزارتیں نہ بنا سکے۔ جیسی کہ غیر مسلموں نے صوبہ متحدہ۔ بہار وغیرہ میں بنائیں اور بے خلل وغش حکومت کی۔ اس سے بارہ برس بعد آل پارٹیز کنونشن کے اجلاس کے موقع پر ایسی صورت پیش آ گئی تھی کہ باہمی سمجھوتہ سے بنگال اور پنجاب میں کوشش کی جاتی تو مسلمان اٹھاون اور ساٹھ فی صدی تک حکومت میں حصہ دار ہو جاتے۔ مگر اس صورت سے بھی گریز کیا گیا اور مسٹر جناح نے فرمایا کہ ہم پنجاب و بنگال کو زیادہ نشستیں دے کر انہیں زیادہ امیر بنانا نہیں چاہتے۔ اس کے چار سال بعد وزیر ہند کے فیصلہ نے پنجاب کی نمائندگی کو پچاس سے اُنچاس فی صدی پر گرا کر اسے اور زیادہ غریب بنا دیا۔ اور دونوں مسلم اکثریت کے صوبے مستقل قانونی اقلیت میں آ گئے۔ اب حالت یہ ہے کہ پنجاب کے مسلمان وزیر اعظم سکھوں اور ہندوؤں کو خوش رکھے بغیر اور بنگال کے مسلمان وزیر اعظم یوروپین، اینگلو انڈین اور ہندو ممبران سے متحد ہوئے بغیر اپنی وزارتیں قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور ان دونوں صوبوں میں خالص مسلم لیگ کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔

غرضیکہ دو بار پاکستانی اسکیم کو ٹھکرا کر بارہ برس بعد پاکستان بنانے کا خیال مسٹر جناح کو صرف اس وقت آیا جبکہ ہندو احباب سے باتوں باتوں میں شکر رنجی ہو گئی اور تب یہ نسخہ تجویز کیا گیا کہ غیر ملکی حکومت کے ذریعہ سے اکثریت کے چند طبقے بنا کر ان میں آزاد اسلامی حکومت قائم کی جائے۔ اس کے سال بھر بعد مارچ ۱۹۴۱ء میں مسلمان طلباء کے فیڈریشن کے اجلاس کانپور میں موصوف نے فرمایا کہ وہ اکثریت والے سات کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرانے کو تیار ہیں۔ سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دو کروڑ مسلمانوں کو کچل جانے دو۔

(مسلم دوٹران کی فریاد صفحہ ۲۹)

ان کی آبادی سے زیادہ نمائندگی دینی ضروری ہو جاتی ہے۔اسی وجہ سے تمام سیاسی لیڈر پنجاب میں صرف یہ چاہتے تھے کہ پنجاب اسمبلی میں مسلمانوں کی نمائندگی (۵۱) فی صدی قطعی طور پر آئینی حیثیت سے دستور حکومت ہند میں تسلیم کرلی جائے مگر کانگریسی وغیر کانگریسی ہندو اور سکھ اس آئینی اکثریت کی ہمیشہ سخت مخالفت کرتے رہے۔اور اسی وجہ سے برطانوی وزیر اعظم نے اپنے (کمیونل ایوارڈ) میں مسلمانوں کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا اور عذر یہ تھا کہ ہندو اور سکھ نہیں مانتے ہیں جمعیۃ علماء ہند کے ارکان اور قوم پرور مسلمانوں کی مساعی سے ہندوؤں اور سکھوں نے (۵۱) فیصدی کی قطعی اکثریت کو تسلیم کرلیا۔اور برطانوی حکومت کے لئے اب کوئی عذر باقی نہ رہا پھر بھی برطانوی حکومت نے دستور حکومت ہند میں خود گول میز کانفرنس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر درج نہیں کیا۔

اسلامی اوقاف کی حفاظت

اسلامی اوقاف کی حفاظت اور اُس کے بیجا مصارف کی روک تھام کی طرف جمعیۃ علماء ہند حکومت اور مسلمانوں کو اکثر توجہ دلاتی رہی۔آخر مجبور ہو کر جمعیۃ علماء ہند نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ قانون کے ذریعہ اوقاف کی حفاظت و نگرانی کا ایک با اختیار نظام قائم کیا جائے جس کا کل انتظام صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اس نظام کے ماتحت تمام کارروائی اسلامی قانون اوقاف کے مطابق ہو مگر مرکزی اور صوبہ جاتی حکومتوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔

آخر بعض مسلمانوں نے صوبہ متحدہ کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا۔جو بہت ہی ناقص تھا جمعیۃ علماء ہند نے اس مسودہ پر اہم غور و خوض کے بعد ایک بہتر متبادل مسودہ تیار کیا جس کو اصلاح و ترمیم کے نام سے حافظ ابراہیم صاحب رکن جمعیۃ علماء ہند و ممبر کونسل یوپی نے کونسل میں پیش کیا۔اور آخر جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ارکان کی مساعی سے صوبہ متحدہ کی کونسل سے یہ قانون پاس ہو گیا اگرچہ اس قانون میں بعض خامیاں گورنمنٹ کی مخالفت کی وجہ سے اب بھی باقی رہ گئیں

تاہم بحیثیت مجموعی وہ ایک مفید قانون بن گیا۔ لیکن گورنر یوپی نے اس قانون کو نافذ نہیں کیا۔ کانگریسی دورِ حکومت میں حافظ ابراہیم صاحب وزیر یوپی نے اس کے نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اور ابتدائی کارروائی مکمل ہو چکی تھی کہ کانگریسی وزارت مستعفی ہو گئی اور یہ معاملہ پھر التوا میں پڑ گیا۔ اسی طرح صوبہ بہار کے اسلامی اوقاف روز بروز تباہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے وہاں بھی قانون کے ذریعہ اوقاف کی حفاظت و نگرانی کی شدید ضرورت تھی مگر سنہ ۱۹۳۸ء تک کوئی قانونِ وقف اسمبلی سے پاس نہ ہو سکا۔ آخر بہار اسمبلی کی مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی طرف سے جس کو جمعیۃ علماء صوبہ بہار اور امارت شرعیہ صوبہ بہار کی حمایت و رہنمائی حاصل تھی۔ بہار اسمبلی میں اسلامی اوقاف کی حفاظت کے لئے ایک مسودہ قانون اسلامی اصول کی کامل رعایت کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس بل کے نوٹس کے بعد بہار کی کانگریسی حکومت نے اپنی طرف سے انہیں مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ایک مسودہ اسمبلی میں پیش کر دیا۔ بہار اسمبلی کی مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی اور جمعیۃ علماء صوبہ بہار اور امارت شرعیہ کے ذمہ دار افراد نے حکومت کے پیش کردہ مسودہ کو بے حد کوشش کر کے اسلامی اصول کے مطابق بنوایا اور بہار کی کانگریسی حکومت نے اسکو منظور کر لیا۔ اور خود غرض مسلمان متولیوں کی مخالفت کے باوجود یہ بل پاس ہو گیا۔

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بہار مسلم لیگ نے اس بل میں کوئی ایک بھی ترمیم پیش نہیں کی۔ بلکہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسلامی اوقاف کی حفاظت کے لئے کسی قانون کی ضرورت نہیں ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس کی مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور جمعیۃ علماء امارت شرعیہ اور عامہ مسلمین کی خواہش کے مطابق اسمبلی سے مسودہ پاس ہو گیا۔ اور اب اس مسودہ کے بہار کونسل میں پاس ہو کر نفاذ کا وقت آیا تھا کہ کانگریسی حکومت مستعفی ہو گئی۔ حفاظت اوقاف کی کارروائی نا تمام رہی۔ اگر آئندہ عامۃ المسلمین جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ کی رہنمائی میں عمل کرتے رہے تو امید ہے کہ حفاظتِ

اوقاف کا مکمل نظم صرف عام مسلمانوں کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں آجائیگا۔ اور اوقاف سے اسلام اور مسلمانوں کو حسب منشا واقف فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔

اسلامی اوقاف اور ٹیکس

کانگریسی دور حکومت میں نشہ بندی کی اسکیم کے رائج ہونے پر حکومت کی آمدنی کم ہونے کا سوال پیدا ہوا جس سے حکومت کے کاروبار میں اختلال پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس سلئے اس مشکل کو حل کرنے اور حکومت کی آمدنی بڑھانے کیلئے حکومت نے تجاویز سوچیں۔ اسی سلسلہ میں بہار کی کانگریسی حکومت نے زراعتی آمدنی پر ایک جدید ٹیکس لگانے کا مسودہ قانون مرتب کرکے بہار اسمبلی میں پیش کیا۔ حکومت کے مسودہ قانون میں زراعتی اوقاف کی آمدنیاں بھی شامل تھیں یعنی ان سب پر بھی علی العموم شخصی آمدنیوں کی طرح ٹیکس عائد کیا گیا۔ پھر اس ٹیکس میں اوقاف کی جائداد نیلام و قرق بھی ہو سکتی تھی۔

جمعیۃ علماء بہار اور امارت شرعیہ کی طرف سے مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کے ممبران کے ذریعہ توجہ دلائی گئی کہ تمام زرعی اوقاف کو اس جدید ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

حکومت بہار شروع میں تمام اوقاف کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ رکھنے پر رضامند نہیں ہوئی۔ بہار اسمبلی میں اس مسئلہ پر طرفین سے بہت گرم بحثیں ہوئیں۔ آخر چند روز کی بحث اور گفت و شنید کے بعد محض خیراتی اوقاف کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دینے پر حکومت راضی ہوگئی۔ مگر وقف علی الاولاد پر ٹیکس عائد کرنے کے لئے مصر رہی۔ اس معاملہ میں جمعیۃ علماء بہار اور امارت شرعیہ کی طرف سے اس کے استثناء پر بھی زور دیا گیا اور دلائل شرعیہ سے واضح کیا گیا کہ اسلامی قانون میں ہر قسم کے جائز اوقاف کا حکم ایک ہے اور اوقاف پر حکومت کو اپنے کاروبار کے لئے کوئی جدید ٹیکس لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر حکومت کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ امارت شرعیہ کی طرف سے اس مسئلہ پر کانگریسی حکومت کے خلاف سول نافرمانی

تک کی دھمکی دی گئی۔ اور چند روز تک اسمبلی میں اس قانون پر بحث روک دی گئی۔
اس کے بعد حضرت علامہ مولانا ابوالکلام آزاد بحیثیت رکن کانگریس پارلیمنٹری بورڈ
پٹنہ تشریف لائے اور انھوں نے معاملہ کی نوعیت معلوم کرکے حکومت بہار کو یہی
مشورہ دیا کہ جمعیتہ علماء بہار اور امارت شرعیہ کا مطالبہ صحیح ہے۔ اور انکی خواہش
کے مطابق مسودہ قانون میں ترمیم کی جائے چنانچہ اگریکلچر انکم ٹیکس سے تمام
اوقاف بری کر دیئے گئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ
صاحب صدر جمعیتہ علماء ہند نے بھی وزیر اعظم بہار کو تار کے ذریعہ توجہ دلائی تھی
کہ تمام اوقاف کو جدید ٹیکس سے بری ہونا چاہیئے۔

ج) علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا

بے موقع جنگ اور معمولی چیز کو ضرورت
سے زیادہ اہمیت دینا دوسروں کی غلامی اور اپنا نظام شرعی نہ ہونے کی نحوست ہے
ہندوستان میں غلامی آئی تو وہابیت، بریلویت، دیوبندیت وغیرہ کی
جنگ بھی اس کے ناپاک دامنوں میں چھپی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک عرصہ تک
ہندوستان ان فروعی اختلافات کی لا یعنی جنگ کا رزمگاہ بنا رہا۔

یہ شرف صرف جمعیتہ علماء ہند ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اسلامی سیاست
کے مخصوص نظریات پر اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔۔۔ اور کامیاب ہوئی یہ
صرف جمعیتہ علماء ہی کی برکت ہے کہ میدان مناظرہ کے مبارزین ایک پلیٹ فارم
پر نظر آنے لگے اور اختلاف عقائد کے باوجود علماء ملت میں یک جہتی پیدا ہوئی۔
اب جمعیتہ علماء نے ۲ روالی عام ممبری کو ذریعہ انتخاب قرار دے کر اس
اتحاد کو غیر فانی کر دیا ہے۔

اس وقت علماء ملت میں اگر کچھ اختلاف نظر آرہا ہے تو اس کا باعث
صرف سیاسی نظریات ہیں۔ چنانچہ جمعیتہ علماء کے مقابل پلیٹ فارم پر اگر کچھ

غیر دیوبندی علماء نظر آتے ہیں تو مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی بھی وہیں جلوہ افروز ہیں

ملّتِ اسلامیہ کی شرعی تنظیم

اور

محاکمِ اسلامیہ کا قیام

قانون فسخ نکاح اور دار القضاء

جمعیۃ علماء ہند ایک عرصہ دراز سے اس امر کی کوشش کر رہی ہے کہ ہندوستان کے صوبجات میں مسلمانوں کے باہمی معاشرتی معاملات کے فیصلہ کے لئے دار القضاء قائم کئے جائیں۔ اگر حکومت اس دار القضاء کو سردست قانوناً تسلیم نہ کرے جب بھی شرعی نقطۂ نگاہ سے بہت سی مشکلات کا حل قیام دار القضاء سے ہو سکتا ہے۔ مگر صوبہ بہار کے ماسوا جہاں امارت شرعیہ قائم ہو چکی ہے کسی صوبہ میں باضابطہ شرعی عدالتیں آج تک قائم نہیں ہو سکیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر صوبوں میں ظالم شوہروں کی وجہ سے ہزاروں ہزار مسلمان عورتیں اپنے جائز حقوق سے محروم ہیں۔ اور سخت مصیبتوں میں مبتلا رہتی ہیں۔ اور اکثر یہ بھی سنا گیا ہے کہ مسلمان عورتوں نے ظالم شوہروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ارتداد کی راہ اختیار کی۔ اس لئے ارکان جمعیۃ علماء ہند کی یہ رائے ہوئی کہ سردست مسلمان عورتوں کو ظالم شوہروں سے شرعی حقوق دلانے اور ان مظالم سے نجات دلانے کے لئے مرکزی اسمبلی میں ایک مسودۂ قانون اسلامی اصول کے ماتحت پیش کیا جائے چنانچہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہ نے اس مقصد کے لئے ایک مسودہ قانون مرتب کیا۔ اور اخبارات میں اس کا مسودہ شائع کر دیا گیا۔ اسی اثناء میں سید محمد احمد صاحب کاظمی اور میر غلام بھیک نیرنگ صاحب ممبران مرکزی اسمبلی نے بھی علیحدہ علیحدہ ایک مسودہ مرتب کیا۔ اس موقع پر

جمعیۃ علماء ہند نے مراد آباد میں اپنی مجلس عاملہ کا جلسہ ان تینوں مسودوں پر غور کرنے کے لئے طلب کیا۔ جس میں ارکان مجلس عاملہ کے علاوہ دیگر علماء اور چند ممبران مرکزی اسمبلی اور بعض دوسرے صائب الرائے حضرات کو مدعو کیا گیا۔

اس جلسہ میں اسلامی اصول اور فروع کا پوری طرح لحاظ رکھ کر ایک مسودہ مرتب کیا گیا جو مسودۂ فسخ نکاح کے نام سے مشہور ہے۔

اس مسودہ میں عورتوں کو اپنے ظالم شوہروں سے نجات حاصل کرنے کے وہ تمام اختیارات دیئے گئے جو شریعت اسلامیہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔ اور اس قسم کے تمام معاملات کے فیصلوں کا اختیار صرف مسلم حاکم کو دیا گیا۔ کیونکہ غیر مسلم حاکم کا حکم طلاق یا حکم فسخ نکاح شرعاً نافذ نہیں ہوتا۔

جمعیۃ علماء ہند کو امید تھی کہ تمام مسلم ممبران اسمبلی خاص کر غلام بھیک نیرنگ اور محمد احمد صاحب کاظمی جمعیۃ علماء ہند کے منظور کردہ مسودہ کو پیش کر کے منظور کرائیں گے۔ مگر ہم لوگ نہایت افسوس اور دلی رنج کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اسمبلی سے جو مسودہ پاس ہوا وہ جمعیۃ علماء ہند کے منظور کردہ مسودہ سے بہت مختلف ہے اور وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے سخت مہلک ہے۔ سب سے بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے طلاق و فسخ نکاح کے فیصلہ کے لئے مسلم حاکم کی شرط قانون میں باقی نہ رہی اس لئے عورت کو شرعاً اس قانون سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ جاتا رہا اور اگر غیر مسلم کی عدالت سے حکم طلاق اور فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کی گئی تو وہ شرعاً باطل ہوگی۔ دوسری ایک عظیم غلطی یہ کی گئی کہ اس قانون میں ایک دفعہ بڑھا دی گئی جس کا مفاد یہ ہے کہ اگر خاندانی مسلمان عورت مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم عورت مسلم ہونے کے بعد کسی مسلمان سے شادی کرلے اور اس کے بعد پھر اپنا قدیم مذہب اختیار کرے تو اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا۔ اور اگر اسلام سے مرتد ہو کر اپنا قدیم مذہب اختیار نہ کرے بلکہ

کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلے تو اس کا نکاح بھی فسخ نہیں ہوگا۔ حالانکہ شرعی اصول اور قانون سے اس دفعہ کی یہ تمام باتیں غلط ہیں اور کسی طرح درست نہیں ہیں۔

جمعیتہ علماء ہند اس قانون کی غلط دفعات کے خلاف بارہا آواز بلند کرچکی ہے مسلم ممبران اسمبلی کو بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ اخبارات میں مضامین بھی لکھے گئے۔ مگر آج تک نہ حکومت نے کوئی توجہ کی اور نہ کسی دوسری انجمن نے جو مسلمانوں کے نام سے ہندوستان میں قائم ہیں۔ آخر جمعیتہ علماء کے اجلاس جونپور میں جمعیتہ علماء نے حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کو اختیار دے دیا کہ اب وہ خود ایک ترمیمی مسودہ قانون مرتب کرکے کسی مسلم ممبر اسمبلی کے حوالہ کریں تاکہ وہ اس ترمیمی بل کو پیش کرکے اس قانون کو قابل عمل اور مفید بنانے کی سعی کریں۔

یہ امر کس قدر قابل افسوس ہے کہ ہندوستان کے اندر جمعیتہ علماء ہند کے علاوہ اور جتنی جماعتیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کی مدعی ہیں۔ انہیں اس قسم کے خالص اسلامی، معاشرتی و تمدنی احکام کی حفاظت کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

اگر احکام اسلام کی پوری ناواقفیت کی وجہ سے بطور خود اسمبلیوں کے قوانین کی مضرتوں کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اس کی مخالفت اور اصلاح کی طرف اقدام کرنے سے معذور ہیں تو جمعیتہ علماء ہند کی رہنمائی اور ہدایات کے بعد تو ان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ توجہ کریں۔ مگر وہ اس کے بعد بھی متوجہ نہیں ہوتے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ اسلام اور مسلمانوں کے کس مفاد کی حفاظت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

رہا مرکزی اسمبلی کا پاس کردہ موجودہ قانون فسخ نکاح تو وہ عظیم نقصان رساں اور تباہ کن قانون ہے جس سے آج کوئی پڑھا لکھا مسلمان شاید ہی ناواقف ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی مسلم لیگ کو

اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہٗ نے مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کو خصوصیت کے ساتھ بذریعہ خطوط متوجہ کیا کیونکہ وہ مسلم لیگ کے صدر ہونے کے علاوہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر بھی ہیں۔

ان خاص خطوط کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کی تجاویز کے ذریعہ مسلمانان ہند کو توجہ دلائی گئی۔ ارکان جمعیۃ نے اس کے متعلق اخبارات میں مضامین لکھے۔ ان تمام باتوں کے بعد کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ دوسری جماعتوں اور ان کے لیڈروں کو واقفیت نہیں ہے۔ اور کس طرح ان کا کوئی عذر مقبول ہو سکتا ہے۔

بہر حال صرف ایک جمعیۃ علماء ہند ہے جو اس معاملہ سے کسی وقت بھی غافل نہ رہی۔ اور جو کچھ اس کے بس میں تھا کرتی رہی اور آئندہ بھی کرے گی۔

جمعیۃ علماء ہند بلا شبہ اس مسئلہ میں عام ایجی ٹیشن پیدا کرنے سے قاصر رہی تو اس کی سب سے بڑی وجہ صرف یہ ہے کہ پورے ملک میں ایک عام ایجی ٹیشن کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے اور وہ جمعیۃ علماء کے پاس ہے نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس کے کاموں کے لئے زیادہ سے زیادہ امداد کرتے رہیں۔

تحریک امارتِ شرعیہ فی الہند

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اول یوم سے جو سب سے اہم اور ضروری کام پیش نظر ہے وہ مسلمانوں کی اسلامی تنظیم اور نظام شرعی کا قیام ہے جمعیۃ علماء ہند اس اہم فریضہ کی طرف سے بھی غافل نہیں رہی۔ اور اس کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کرتی رہی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس دہلی ۱۹۲۰ء میں امارت فی الہند کا مسئلہ عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔ اور اجلاس لاہور و اجلاس بدایوں میں دوسرے موانع لاحق ہو گئے۔ اس لئے تمام ہندوستان کے لئے مرکزی اسلامی

تنظیم ونظام شرعی قائم کرنے پر جمعیۃ علماء ہند قادر نہ ہوسکی اور اس وقت یہی مناسب سمجھا گیا کہ صوبہ وار نظام شرعی اور تنظیم اسلامی اگر قائم ہو جائے تو مرکزی نظام کے قیام میں سہولت ہوگی۔ چنانچہ اسی اصول کے ماتحت صوبہ بہار واڑیسہ میں اس صوبہ کی جمعیۃ علماء کی مساعی اور جمعیۃ علماء ہند کی تائید سے امارت شرعیہ قائم ہوگئی۔ اور حسب قواعد شرعیہ باضابطہ امیر الشریعۃ کا انتخاب ہوا۔ پھر پورے صوبہ کے مسلمانوں نے منتخب امیر الشریعۃ کی بیعت عامہ کی۔ اس طرح پر ایک صوبہ میں (جو برطانیہ کی جدید اسکیم کے ماتحت دو صوبوں میں تقسیم ہو گیا ہے) اسلامی نظام قائم ہو گیا اور شرعی اصلاح کے بموجب اسلامی جماعت کی تشکیل ہوگئی۔

امارت شرعیہ کے ذریعہ جتنے قومی اور مذہبی کام اس وقت تک انجام پذیر ہوئے وہ امارت شرعیہ کی رپورٹوں اور اخبارات سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور غالباً ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس کی مذہبی وملی خدمات سے ناواقف ہو۔

امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ کی مذہبی وقومی خدمات حقیقۃً اور بالواسطہ سب کی سب جمعیۃ علماء ہند کے ریکارڈ میں شامل ہیں۔ اس لئے جمعیۃ علماء ہند کی خدمات کو درج کرتے ہوئے ان کی طرف بھی اشارہ کرنا مناسب ہوا۔

جن حضرات کو امارت شرعیہ کی علمی وعملی اور مذہبی وقومی خدمات کی تفصیلات معلوم کرنے کی خواہش ہو وہ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ (بہار) سے اس کی رپورٹیں اور رسائل طلب کر کے معلومات میں اضافہ حاصل کر سکتے ہیں۔

اس موقعہ پر ہم اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت اور اہمیت اسی وقت محسوس ہونے لگی تھی جبکہ

ع۵ اجلاس سہارنپور ۱۳۴۵ھ کے موقع پر جمعیۃ علماء صوبہ یوپی نے صوبہ یوپی کے لئے امارت شرعیہ کے قیام کی جدوجہد کی۔ چنانچہ اجلاس سے ایک روز پہلے ۳ مئی ۱۹۲۶ء کو علماء وعمائدین صوبہ کا ایک بہت بڑا اجتماع اسی غرض سے ہوا۔ مگر بعض ضروری سوالات کے حل کرنے کے لئے یہ اجلاس ملتوی کر دیا گیا توقع ہے کہ انشاء اللہ مستقبل قریب میں یہ جدوجہد کامیاب ہو جائے گی۔

اسلامی حکومت کا چراغ گل ہورہا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت میں قیام امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا۔ چنانچہ اس فتوے پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جب کہ حضرت سید احمد بریلوی کو امام و امیر منتخب کیا گیا۔ پھر ۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو امام و امیر منتخب کیا گیا لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناساز گار ہوگئے۔ علماء دین بکثرت تباہ کردیے گئے۔ زبان و قلم پر جبروتی مہریں لگادی گئیں۔ مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تخیل سے کبھی غافل نہ رہے۔ اور اس مقصد عظیم کی مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے جبکہ حالات سازگار ہوں۔ اور اسلامی نظام اجتماعی شرعی اصول وضوابط سے قائم کرنا ممکن ہوجائے۔ انہیں بزرگوں کے اعمال حسنہ اور دعاؤں کی برکتوں سے ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اہل علم اور اہل خیر موجود ہیں۔ ان کی جرأت ایمانی کا یہ حال ہے کہ ہر گوشہ میں یہ لوگ جبروتی طاقتوں کے مقابلہ میں برملا اعلان حق کرتے ہیں۔ اور حق پر عمل کرنے میں کسی مصیبت کی وہ پرواہ نہیں کرتے۔

انھیں خدا ترس بزرگوں کی مجاہدانہ روش اور اہل وطن کی مساعدت سے آج یہ حالت ہے کہ لاکھوں کروڑوں غریب مسلمانوں کے دلوں سے جبروتی طاقت کا خوف زائل ہوگیا ہے اور صرف خدا کا خوف سب پر غالب ہے۔ اور یہی ایمان کا اقتضاء ہے اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ عہد میں مسلمانوں کے اندر اسلام اور ایمان کی صفت پیدا ہونے میں جمعیۃ علماء ہند کے عملی کارناموں کو بہت زیادہ دخل ہے۔ اور جب یہ حالت پیدا ہوچکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور قیام امارت فی الہند کی تجویز شرعی کو عملی شکل دی جائے۔

چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس جونپور میں اس مسئلہ کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ اگر علماء حق اور رؤسا ملت نے اس کے اسباب فراہم کرنے اور مبادیات کے طے کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کی پوری پوری مدد کی تو انشاء اللہ تعالیٰ

ہم اس عظیم مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

مسلمانوں کو یقین کرلینا چاہئے کہ ہندوستانی سیاست اور حکومت خواہ کوئی شکل و صورت اختیار کرے۔ اس کے اندر اسلامی سیاست کی رعایت کو ملحوظ رکھنا، اسلامی حقوق و مفاد کو محفوظ رکھنا، اور پھر اسلامی و اجتماعی اصول و احکام کو بروئے کار لانا بغیر اس کے ناممکن ہے کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند جمعیۃ علماء ہند اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنائیں اور اس کی ہر آواز پر لبیک کہیں اور اس کے دفتر اور کاموں کے لئے بقدر وسعت و ہمت مال و زر سے اعانت کرتے رہیں۔ دوسری طرف وہ جمعیۃ علماء کی امارت شرعیہ کی اسکیم شرعی اور نظام اسلامی کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ اور تمام ہندوستان میں اس نظام کو قائم کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کا ہاتھ بٹائیں۔

اور جب یہ نظام جمعیۃ علماء ہند کی مساعی اور اس کی نگرانی میں قائم ہو جائے تو پوری طرح اس کو مضبوط کریں اور منتخب شدہ امیر و امام کی ہر امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تمام انتظامی و اجتماعی امور میں اس کی اطاعت کریں۔

ان ہی دونوں وسائل سے ہندوستان میں مسلمان اقامت دین کے فریضہ سے سبکدوش ہو سکتے ہیں اور ان ہی دونوں خالص اسلامی اداروں کے ذریعہ اس ملک میں سیاسی قوت مسلمان رہ کر اسلامی اصول سے حاصل کر سکتے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے سوا کوئی دوسری جماعت یہ کام نہیں کر سکتی۔ خواہ وہ مسلمانوں کے لئے بظاہر کتنی ہی دلکش ہو یا آزادی وطن اور اسلام کے لئے جاں باز ہو یا فرقہ وارانہ جھگڑوں میں کتنی ہی پیش پیش ہو۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کتنی ہی ہمدردی ظاہر کرتی ہو۔ مگر وہ اسلامی اصول اور احکام کے مطابق اس ملک میں مسلمانوں کی تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی خدمت سے ہمیشہ قاصر رہے گی۔ کیونکہ جمعیۃ علماء ہند کے ماسوا جتنی جماعتیں موجود ہیں یا آئندہ ان ہی جماعتوں کی طرح بنائی جائیں گی۔ عام انسانوں کی طرح وہ صرف عقل کی روشنی میں کام کریں گی اور ان کے

پیش نظر تمدنی وسیاسی مسائل کے غور وفکر کے وقت اسلامی تعلیمات اور اصول کی روشنی نہیں ہوگی وہ صرف وقتی اور سطحی مفاد کا خیال کرتی ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان دیگر جماعتوں کی تجاویز اور خدمات سے جمعیۃ علماء ہند کی تجاویز اور خدمات کا مقابلہ کریں تو ان پر یہ حقیقت صادقہ آئینہ کی طرح منکشف ہو جائیگی۔

(۵) شرعی نصب العین کے مطابق قوم اور ملک کی مکمل آزادی

مکمل آزادی کا نصب العین

ہندوستانی مسلمانوں کی ترقی وعروج اور اسلامی ممالک کے بقا وتحفظ کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان کی مکمل آزادی نہایت ضروری ولازم ہے اور اس کی آزادی کی جد وجہد ایک اہم ملکی اور مذہبی فریضہ ہے۔

جمعیۃ علماء کے اس فیصلہ کے بعد کانگریس اور دیگر ملکی اور اسلامی انجمنوں نے بھی اس نصب العین کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ سب سے آخر میں طوعاً وکرہاً مسلم لیگ نے بھی ۱۹۳۷ء کے آخر میں اس نصب العین کو اختیار کیا۔

اسی ایک واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے مدبرین جس چیز کو ملکی اور اسلامی مفاد کے لئے اپنی بصیرت کی روشنی میں سوچتے اور سمجھتے ہیں۔ اسی چیز کو ابنائے وطن اور زعمائے ہند ایک عرصہ دراز کے بعد آخر اختیار کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ لوگ صرف مادی نقطۂ نظر سے محض عقل کی روشنی میں سوچتے اور سمجھتے ہیں۔ اور علماء حق کے ہاتھ میں عقل وبصیرت کے ساتھ دین اسلام کی کامل ومکمل روشنی ہر تاریکی کو زائل کرنے کے لئے موجود ہے۔ جس سے کام لینے کی اللہ تعالیٰ نے انھیں توفیق عطا فرمائی ہے۔

اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء حق کو مصابیح الامت فرمایا ہے۔ یعنی یہ لوگ امت اسلام کے لئے چراغ ہیں جس کی روشنی میں مسلمانوں کو زندگی بسر کرنی چاہئیے۔

سائمن کمیشن کا بائیکاٹ

۱۹۲۷ء میں جب ہندوستان کے دستور حکومت کی تبدیلی کا سوال پیدا ہوا اور حکومت برطانیہ نے محض خود رائی سے سائمن کمیشن مقرر کر دیا کہ اس کی تحقیقات و سفارشات پر حکومت کے دستور کی بنیاد رکھی جائے تو ہندوستان کی تمام اسلامی اور وطنی جماعتوں میں صرف جمعیۃ علماء ہند ہی وہ جماعت ہے جس نے اپنے اجلاس پشاور میں زیر صدارت حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا کہ سائمن کمیشن کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے اور کوئی ہندوستانی اس کمیشن سے تعاون نہ کرے۔

جمعیۃ علماء ہند کے اس فیصلہ کے بعد کانگریس نے اپنے اجلاس مدراس میں اس کا فیصلہ کیا اور مسلم لیگ میں اس مسئلہ کی وجہ سے پھوٹ پڑ گئی۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک جناح لیگ جس نے جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ کی پیروی کی اور ایک شفیع لیگ جس نے اس کمیشن سے تعاون کا فیصلہ کیا۔ اخبارات کے کالموں اور مسلم لیگ و کانگریس کی رپورٹوں سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

رہنمایان جمعیۃ علماء ہند کی اصابت رائے اور بر وقت صحیح رہنمائی پر وثوق کرنے کے لئے اس واقعہ میں بھی ایک عظیم حجت ہے۔

تحریک آزادی

جمعیۃ علماء ہند اگرچہ ابتداء ہی سے مکمل آزادی کو نصب العین بنائے ہوئے تھی۔ مگر کانگریس نے ۱۹۳۰ء میں لاہور کے اجلاس میں مکمل آزادی کی تجویز پاس کر کے آزادی کی جد و جہد کا فیصلہ کر لیا۔

اس نازک موقعہ پر بھی مسلمانان ہند کی عظمت و عزت کو برقرار رکھنے کے لئے صرف جمعیۃ علماء ہند ہی ایک اسلامی جماعت تھی جو آگے بڑھی اور اس نے اپنے اجلاس

امروہہ میں جنگ آزادی کی شرکت کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں کو جنگ آزادی کے لئے کانگریس کے ساتھ شریک ہونے کا مشورہ دیا۔ اور جمعیۃ علماء ہند نے ایک مستقل دائرہ حربیہ قائم کیا۔

چنانچہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۲-۳۳ء تک اس ملک میں جنگ آزادی لڑی گئی جس میں علماء حق اور قوم پرور مسلمانوں نے ناقابل فراموش جانی و مالی قربانیاں پیش کیں اور اسی جنگ آزادی کا یہ ثمرہ ہے کہ آج صوبۂ سرحد کو جہاں مسلمانوں کی ۹۵ فی صدی آبادی ہے وہی پوزیشن حاصل ہے جو دوسرے صوبوں کو ہے اور اسی جنگ کا یہ نتیجہ ہے کہ آج صوبہ سندھ جہاں مسلمانوں کی ۷۴ فی صدی آبادی ہے۔ بمبئی سے علیحدہ ہو کر ایک مستقل با اختیار صوبہ قرار پایا ہے۔

اسی طرح صوبہ پنجاب و بنگال کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جو مسٹر جناح کی رہنمائی میں ۱۹۱۶ء کے پیکٹ کے ماتحت ہندوؤں اور انگریزوں کا غلام محض بنا دیا گیا تھا۔ اب وہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت پہلے کی نسبت بہتر پوزیشن میں ہیں۔ جس کے طفیل میں آج[۱] مسٹر فضل حق اور سر سکندر حیات بنگال و پنجاب میں حکومت کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے بنگال و پنجاب کو موجودہ پوزیشن میں لانے کیلئے کبھی کوئی قربانی نہیں پیش کی۔ یہ جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ہم خیال سرفروش مسلمان ہی تھے۔ جنھوں نے ملکی و اسلامی مفاد کے لئے سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کیں خاص کر صوبہ سرحد کے علماء حق اور بہادر مسلمانوں نے جس دلیری اور ہمت سے کام لے کر مردانہ وار جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ ایک ناقابل فراموش تاریخی واقعہ ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ان ہی قربانیوں کی بدولت غریب عوام الناس کو حکومت کے کاروبار پر اثر ڈالنے کا حق مل گیا اور ان ہی جانبازوں کی بدولت ہندوستان کے چار پانچ صوبوں میں مسلمانوں کے ہاتھ میں حکمرانی کی قوت آ گئی ہے۔ اور آج (نومبر ۱۹۴۵ء) میں ہندوستان کے لئے نئی حکومت کے قیام اور نمائندہ اسمبلی کے ذریعہ سے دستور جدید

---

[۱] یعنی ۱۹۴۰ء میں تصنیف کتاب کے وقت۔

کی ترتیب کا جو شور و غوغا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ لیگ کی برطانیہ پرست
پالیسی کا نتیجہ ہے۔ وہ انہیں قربانیوں کا نتیجہ ہے جو ۱۹۴۲ء میں ملک نے پیش
کیں اور جن کے ذریعہ سے تمام دنیا پر یہ واضح کر دیا گیا کہ ہندوستان اس غلامی کی
موجودہ حالت پر قناعت نہیں کر سکتا۔ دنیا کے امن کے لئے اس کی آزادی ضروری
ہے۔ آج سیاسی دنیا میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے انگریز مجبور ہے کہ ہندوستان
کو مطمئن کرے۔ مسلم حلقہ میں جمعیتہ علماء کے سوا کون سی جماعت ہے جس نے ادائے قربانی
کے فرض کو انجام دیا۔

الغرض جمعیتہ علماء ہند نے اپنی مدبرانہ رہنمائی اور سرفروشانہ جد و جہد سے
مسلمانان ہند کو پستی سے کچھ بلندی کی طرف بڑھایا ہے اور تنزل سے ترقی کے
مدارج طے کرا دیئے ہیں اور کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔

شہدائے پشاور ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں پشاور میں قصہ خوانی بازار
کا جب سنگین واقعہ پیش آیا اور سینکڑوں مسلمان بہادری
کے ساتھ شہید ہوئے۔ اور بہت سے لوگوں پر بے پناہ مظالم ہوئے۔ تو کانگریس
کے مقرر کردہ آزاد تحقیقاتی کمیٹی میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب شریک
ہوئے اور ان کی رفاقت میں جناب مفتی محمد نعیم صاحب رکن جمعیتہ علماء ہند بھی
برابر شریک ہوتے رہے۔ حکومت نے پشاور جا کر تحقیقات کرنے کی اجازت نہیں دی
تو راولپنڈی میں بیٹھ کر تحقیقات کی گئی اور اہل پشاور نے وہیں پہنچ کر کمیٹی کے سامنے
شہادتیں دیں۔ اور اس کمیٹی کی رپورٹ جب طبع ہو کر شائع ہوئی تو حکومت نے
اس کو ضبط کر لیا۔

یہ خدمت جمعیتہ علماء ہند کے صدر اور رکن نے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد
ہی کے لئے انجام دی۔ اور اس سے مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تاریخ مرتب ہو گئی۔
اہل ہند کو یہ بات یاد ہو گی کہ اس خونی واقعہ کے موقعہ پر تقریباً مسلمانوں
کے تمام لیڈر اس وقت مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام لینے میں یا خاموش تھے یا حکومت

کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ حالانکہ مسلمانان صوبہ سرحد کی یہی وہ بہادرانہ شہادت اور مظلومی تھی جسکی وجہ سے صوبہ سرحد کو دیگر صوبجات کی طرح آئینی صوبہ قرار دیا گیا۔ صوبہ سرحد کو اس پوزیشن تک پہنچاتے ہیں گول میز کانفرنس لندن میں شریک ہونیوالے مسلمان اور پشاور کے بہادر مسلمانوں کی شہادت کو حرام موت قرار دینے والوں کو کوئی دخل نہیں ہے۔

الغرض جمعیۃ علماء ہند نے مسلمانان پشاور کی اس وقت جو کچھ شاندار خدمات انجام دیں وہ مسلمانان ہند کی جماعتوں میں اسی کے لئے مخصوص ہیں۔

تحریک حاضر ۱۹۴۲ تا ۱۹۴۵ء

۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانوی شہنشاہیت کی طرف سے موجودہ جنگ کا اعلان کیا گیا۔ اس سے صرف ۱۳ روز بعد جمعیۃ علماء ہند نے ۱۶، ۱۷ اور ۱۸ ستمبر ۳۹ء کو میرٹھ میں مجلس عاملہ کا اجلاس کر کے ایک معرکۃ الآراء تاریخی بیان شائع کیا جس میں مدلل اور مفصل طور پر اپنا نظریہ واضح کر دیا تھا۔

پھر ماہ جون ۴۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا عام اجلاس جونپور میں ہوا جس میں ورکنگ کمیٹی کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے اس کا دوبارہ اعلان کیا گیا اسی طرح اس کے بعد مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں اسی نظریہ کو بار بار واضح کیا جاتا رہا۔ اراکین جمعیۃ علماء اپنی تقریروں میں آزادی کے ساتھ اپنے رویہ اور نظریہ کی وضاحت کرتے رہے جس کی پاداش میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، مولانا حفظ الرحمن صاحب، مولانا محمد شاہد صاحب فاخری مستقل صدر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ۔ مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری صدر اجلاس عام جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ منعقدہ جونپور، مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہاں پوری، مولانا سعید احمد صاحب دیوبندی مقیم آگرہ، مولانا نور محمد صاحب ٹانڈوی وغیرہ وغیرہ اراکین جمعیۃ علماء ہند کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

اس تمام دور میں کانگریس خاموش رہی مسٹر گاندھی کی ملاقاتیں وائسرائے

ہند سے ہوتی رہیں۔ انتہا یہ کہ پورے ۱۳ ماہ بعد کانگریس اسی نقطۂ نظر پر پہنچی۔ جس کا اعلان جمعیۃ علماء ہند آغاز جنگ سے صرف ۱۴ روز بعد کر چکی تھی۔

یا وائس بیچاری مسلم لیگ غریب، کو ۱۳ ماہ بعد بھی کوئی روشنی نظر نہ آئی۔ اس کے بعد "کوئٹ انڈیا والی" ۴۲ء کی تحریک جاری ہوئی جس کا آغاز لارڈ لنلتھگو وائسرائے ہند کے بے موقعہ جابرانہ اقدام سے ہوا تھا۔ جمعیۃ علماء ہند نے فوراً ہی دہلی میں مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کر کے حالات پر غور کیا۔ وائسرائے اور حکومت ہند کی غلط پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے مسلمانوں کو تحریک میں شرکت کی دعوت دی۔ چنانچہ جمعیۃ العلماء کے ارکین اور ممبران نے اپنے فرائض کو نہایت استقلال اور عالی حوصلگی سے انجام دیا اور جمعیۃ العلماء کے سینکڑوں ممبران نظر بند کئے گئے۔ مسٹر جناح اور لیگ نے اس وقت بھی حکومت پرستانہ ذہنیت کا نہایت بھدی صورت سے مظاہرہ کیا (جس کی کچھ تفصیل آپ اس کتاب کے دوسرے ممبر اور علماء حق کے مجاہدانہ کارناموں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔)

بہر حال جو کچھ کیا گیا یا کیا جا رہا ہے۔ وہ صرف ابتدائی مراحل ہیں اصل نصب العین ابھی دور ہے لیکن اس کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے اور جبکہ مشترکہ جدوجہد سے تحریک چل رہی ہے۔ تو راستہ کی منزلوں میں کیا کیا کر لینا ضروری ہے۔ اس سے ہر شخص واقف نہیں ہو سکتا۔ یہ کام ہے صرف ان لوگوں کا جو شرعی مہارت اور سیاسی تجربہ رکھتے ہیں ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

البتہ تمام مسلمانوں سے یہ درخواست ضروری ہے کہ وہ جمعیۃ العلماء کی عام ممبری اس عقیدہ کے ساتھ قبول کریں کہ امیر ملت اور امارت شرعیہ کے بغیر مسلمان کی اجتماعی زندگی قالب بے جان ہے۔

تشدد یا عدم تشدد

جیسا کہ تمہید میں عرض کیا جا چکا ہے۔ عدم تشدد جمعیۃ علماء کی وقتی پالیسی ہے جو شرعی احکام کی روشنی میں ضرورت وقت کے بموجب اختیار کی گئی۔ مسٹر گاندھی کے نظریہ کے بموجب بطور عقیدہ نہ آج تک اس پالیسی کو اختیار کیا گیا نہ ایک مسلمان کے لئے جائز ہے کہ صرف عدم تشدد ہی کو اپنا عقیدہ بنا لے۔

ذیل کے واقعہ سے عدم تشدد کے متعلق جمعیۃ العلماء کے نظریہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

موپلہ مظلومین کی امداد

۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت اور کانگریس جبکہ زور شور سے ملک میں جاری تھی۔ اس وقت مالابار کے مسلمان جو موپلہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے جوش ایمانی اور مجاہدانہ روح کو فنا کرنے کے لئے حکومت نے سخت سے سخت مظالم کئے ہزارہا گھرانے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ اس نازک موقعہ پر واقعات کی تحقیق اور غریب موپلہ مظلومین کی مدد کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے موثر قدم اٹھایا۔ ایک طرف تحقیقاتی وفد روانہ کیا جس کی رپورٹ اسی زمانہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے[۵] اور دوسری طرف ان کی مدد کے لئے روپیہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔ تحقیقاتی وفد کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ حکومت کے بے پناہ مظالم کو واضح طور پر ظاہر کر دیا گیا بلکہ اس غلط افواہ کی بھی تردید کی گئی کہ موپلہ ہندوؤں کو بہ جبر مسلمان کرتے تھے۔ اور فساد کی ابتداء ان کے اس جبر و اکراہ سے ہوئی۔ اس افواہ سے ہندو مسلمان لیڈر بھی متاثر تھے اور گاندھی گروپ بھی اس وقت ان کی ہمدردی کے لئے اس وجہ سے آمادہ نہ تھا کہ موپلہ نے تشدد سے کام لیا۔

مگر جمعیۃ علماء ہند نے بعض لیڈروں کی مخالفت کے باوجود موپلہ کی امداد

---

[۵] اور اب بھی دفتر جمعیۃ علماء ہند سے صرف ار کے ٹکٹ بھیجنے پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ (حوادث مالا بار) اس رپورٹ کا عنوان ہے۔

اعانت کا اعلان کیا۔ اور تقریباً پچاس ہزار روپیہ فراہم کرکے ان کی بروقت امداد کی۔ اس کے بعد بعض دیگر تبلیغی انجمنوں نے بھی وہاں جاکر کام کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کام جمعیۃ علماء ہند نے محض رضائے حق کے لئے اسلامی فرض سمجھ کر ایسے سخت ماحول میں انجام دیا۔ جب کہ دوسرے لوگ اس کے لئے آمادہ نہ تھے۔ جمعیۃ علماء نے نہ حکومت کی کوئی پرواکی اور نہ کانگریسی لیڈروں اور ہندوؤں کی ناراضی کا کچھ خیال کیا۔

حق پرست مسلمانوں نے اس اہم وقت میں جمعیۃ علماء ہند کا ساتھ دیا۔ شکر اللہ سعیہم۔

(۹) مسلمانوں کی مذہبی۔ تعلیمی۔ اخلاقی۔ معاشرتی۔ اقتصادی اصلاح اور اندرون ملک حسب استطاعت اسلامی تبلیغ و اشاعت

مذکورہ بالا تمام چیزیں علماء ملت کے رات دن کے مشاغل ہیں تعلیم و تدریس وعظ، تذکیر، تبلیغی ادارے انہیں بزرگوں کے دم سے قائم ہیں۔ اور اپنے کام کر رہے ہیں۔ دیسی چیزوں کے استعمال کی ترغیب ایک اہم اقتصادی اصلاح ہے۔

تاہم بطور مثال چند خدمات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اردو زبان کی اہم خدمت

تمام ہندوستان کے مسلمان جانتے ہیں کہ ہندوستان کی عام زبان جو تمام صوبجات ہند میں مشترک ہے۔ وہ صرف اردو زبان ہے اور اسی کو ہندوستانی زبان کہتے ہیں مگر انگریزی حکومت نے تقریباً ساٹھ ستر برس سے اردو ہندی کا جھگڑا اکھڑا کر دیا۔ ہندوستان کے چند صوبجات کی عدالتوں میں انگریزی زبان کے برابر ہندی زبان و حرف کو تسلیم کیا۔ بخلاف اس کے اردو زبان و رسم الخط کو صوبہ بہار کی

عدالتوں سے قطعاً خارج کردیا۔ بہار کا اردو داں طبقہ خاص کر مسلمان ایک عرصہ سے کوشش کررہے تھے کہ سرکاری عدالتوں میں انگریزی ہندی کی طرح اردو زبان و رسم الخط کی بھی اجازت دی جائے یعنی اردو زبان و رسم الخط کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے مگر آج تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریزی حکومت ہندوؤں کی مخالفت اور بعض نامعقول وجہ بتا کر اس جائز مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ لیکن جب اپریل ۱۹۳۷ء میں صوبہ بہار میں مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کی کولیشن وزارت قائم ہوئی تو اس نے اس صوبہ کی عدالتوں میں اردو کے اجرار کا حکم دے دیا۔ پھر کانگریسی حکومت جب قائم ہوئی تو اس نے بھی اس حکم کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کی مزید وضاحت کردی تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے اور اردو کو نقصان نہ پہنچے۔

بہار میں یہ قومی معاملہ صرف اسی وجہ سے طے پایا کہ بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی کو جمعیتہ العلماء اور امارت شرعیہ کی پوری پوری حمایت حاصل تھی۔ اور ان دونوں اداروں کے ارکان کی مساعی جمیلہ سے یہ مسئلہ حل ہوگیا۔

جمعیتہ علماء ہند کے ارکان کو افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے جہاں اس کا اثر تھا۔ اس خدمت کو انجام نہیں دیا اور اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ صوبہ بنگال میں (جس کے وزیر اعظم آج بھی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں) آج تک عدالتوں میں اردو زبان رائج نہیں ہے۔ اگر مسلم لیگ کو اردو سے سچی ہمدردی ہے اور اس کو ایک عام زبان کی حیثیت سے تمام ملک میں رائج کرنا ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عدالتوں کی زبان بھی قرار دی جائے۔ اسلئے بہار، یوپی، پنجاب کی طرح بنگال و سندھ وغیرہ کی عدالتوں میں بھی اس کو رائج کرنا چاہئے۔ مگر مسلم لیگ کے کسی رکن کو اس اہم خدمت کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور نہ آج تک کوئی خیال ہے۔ بلکہ بدقسمتی یہ ہے کہ لیگ کے پلیٹ فارم سے جو تجویزیں پاس ہوئیں ان میں اردو زبان کا گلا گھونٹا گیا اور تمام ہندوستان میں اردو زبان کے مطالبہ

کے بجائے صرف ان صوبوں میں مطالبہ کیا گیا جہاں کہ یونیورسٹیوں میں وسیلۂ تعلیم اردو ہو۔ چنانچہ لکھنؤ کے اجلاس خصوصی منعقدہ ۱۵ر نومبر ۱۹۱۷ء میں مطالبہ کیا گیا۔ کہ جن صوبوں میں وسیلۂ تعلیم اردو ہو وہاں دفتری زبان اور رسم الخط اردو رہے۔

تاریخ مسلم لیگ مرتبہ مرزا اختر حسن بی اے ص ۱۴۷ پھر اجلاس دہم منعقدہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۷ء میں سر محمد یعقوب کی تحریک اور اسمٰعیل شیرازی صاحب کی تائید سے مندرجہ ذیل تجویز منظور ہوئی :-

جن صوبجات کی عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں اردو زبان اور یہی رسم الخط مُرَوّج ہے وہاں اسے جاری رکھا جائے۔ اور ان صوبجات میں ابتدائی تعلیم کا ذریعہ اردو ہی رہے۔ (تاریخ مسلم لیگ مصنفہ مرزا اختر حسن ص ۱۴۷)

جمعیۃ علماء کے شعبۂ تبلیغ اسلام کی خدمات اور شدھی سنگھٹن کا مقابلہ

۱۹۲۲ء میں جب شدھی وسنگھٹن یا اور قدیم جاہل نومسلموں کو مرتد کرنے ...... کی تحریک شروع ہوئی اور چند سالوں تک مسلسل جاری رہی تو جمعیۃ علماء ہند نے ایک مستقل شعبۂ تبلیغ و حفاظت اسلام قائم کرکے اس حملہ کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اگرچہ جمعیۃ علماء ہند کی راہ میں اس .... وقت بھی رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر محض اللہ کے فضل اور ارکان جمعیۃ کی استقامت علی الحق اور مسلمانوں کی معاونت سے اس معرکہ کو سر کرنے میں جمعیۃ علماء ہند پورے طور پر کامیاب ہوئی۔ شعبہ کے تفصیلی کاموں کی رپورٹیں طبع ہوکر شائع ہوچکی ہیں۔ ہم اس وقت صرف اس قدر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ علماء ہند کے شعبہ تبلیغ کی کوششوں سے گیارہ ہزار سے زائد مرتدین نے توبہ کرکے دوبارہ اسلام قبول کیا۔ اور دو ہزار سے زائد غیر مسلم مذہب اسلام قبول کرکے مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔ جمعیۃ علماء ہند کے شعبۂ تبلیغ نے حلقۂ ارتداد میں مبلغین کے ذریعہ کام لینے کے علاوہ جابجا شعبۂ تبلیغ کی شاخیں قائم کرائیں۔ دیہاتوں میں ڈیڑھ سو سے زائد

مدارس و مکاتب جاری کئے اور ان کے لئے لائق مدرسین و معلمین مقرر کئے۔ اور ان تمام کاموں پر تقریباً اسی ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ لیکن افسوس ہے کہ جب شدھی سنگھٹن کا زور ٹوٹ گیا تو مسلمانوں کا بھی جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ جمعیۃ العلماء ہند کی امداد کی طرف توجہ کم ہوگئی تو مجبوراً جمعیۃ علماء ہند کو شعبہ تبلیغ کے وسیع نظام کو سمیٹ لینا پڑا۔ تاہم جمعیۃ علماء ہند نے یہ کوشش کی کہ جو مدارس و مکاتب اس نے قائم کئے تھے وہ کسی دوسری سبیل سے تا بحد امکان جاری رہیں۔ اور معلمین وغیرہ کو ڈسٹرکٹ بورڈوں سے تنخواہ وغیرہ ملتی رہے۔ چنانچہ بہت سے مکاتب اس طرح پر چل رہے ہیں اور چند مکاتب جن کا کوئی نظم نہ ہو سکا اور ان کا قیام بھی ضروری تھا۔ ان کے اخراجات جمعیۃ علماء ہند مالی مشکلات کے باوجود اب تک برداشت کر رہی ہے۔

اگر ارباب خیر اور ارباب ثروت مسلمان ہمت سے کام لے کر جمعیۃ علماء ہند کی مستقل امداد کرتے رہتے تو جمعیۃ علماء ہند دیہاتی مکاتب کو کثرت سے قائم کر کے اسلام اور اہل اسلام کی بہت بڑی خدمت انجام دیتی رہتی۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ آزاد مکاتب و مدارس جس طرح اسلام اور اہل اسلام کی خدمت انجام دے سکتے ہیں وہ ان مکاتب و مدارس سے انجام پذیر نہیں ہو سکتی جو حکومت کے دست نگر ہیں۔

واردھا تعلیمی اسکیم پر تنقید

کانگریسی حکومت کے دور میں واردھا میں تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اور اس کی تفصیلی رپورٹ شائع ہوئی تو سب سے پہلے ارکان جمعیۃ علماء ہند نے اس پر توجہ کی اور اس پر تنقید کر کے اصلاح کی کوشش کی۔ اس کے بعد اخبارات میں تنقید و تبصرہ شروع ہوا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے اس رپورٹ پر غور کرنے اور اس کی سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک مختصر مجلس (سب کمیٹی) بنائی تھی۔ جس کی رپورٹ جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس دہلی مارچ ۱۹۳۹ء میں منظور ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کمیٹی کے

ارکان کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب۔ (۲) حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب (۴) مولانا نورالدین صاحب بہاری (۵) مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی۔

اسی طرح ودیا مندر اسکیم جو سی پی کے صوبہ میں پیدا ہوئی جمعیۃ علماء ہند نے اس پر مؤثر تنقید کی۔ اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے اصلاح کی کوشش جاری تھی کہ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری نے سی پی حکومت سے گفتگو کرکے ودیا مندر اسکیم کو اس طرح تسلیم کرلیا کہ مسلمان جو مدرسہ قائم کریں اس کا نام مدینۃ العلم ہو اور دوسرے لوگ جو مدرسہ قائم کریں اور جسکو حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اس کا نام "ودیا مندر" ہو حالانکہ اصل اعتراض بدستور قائم

اس لئے جمعیۃ علماء ہند نے اجلاس دہلی میں اپنے اعتراض پر بدستور اصرار کیا ہے اور سرکاری تعلیم کے لئے اس قسم کے نام کو قطعاً ناپسند کیا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند نے اپنی تجاویز کانگریس کی مجلس عاملہ کے پاس بھیج دی تھیں مگر اس کے کچھ دنوں بعد کانگریسی حکومتیں مستعفی ہوگئیں۔ اور ملک میں دوسرے حالات پیدا ہوگئے۔

ہندو مسلم فساد

ہندو مسلم فسادات جب کبھی ہوئے۔ برطانوی ہند ہو خواہ دیسی ریاستیں۔ کانگریسی حکومت کے دور میں ہوئے ہوں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد جمعیۃ علماء ہند اور اس کے محترم ارکان نے ہمیشہ ان فسادات پر نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ظالموں کی مذمت اور مظلوموں کی حمایت کی ہے۔ اکثر مواقع پر جمعیۃ علماء ہند کے صدر دفتر سے تحقیقاتی وفد روانہ کئے گئے اور اس کی بنا پر بے لاگ رائے قائم کرکے کارروائی کی گئی۔ اور مظلوم مسلمانوں کی بقدر امکان ہر قسم کی مدد کی گئی۔ کشمیر اور الور کے مظلومین اور تارکانِ وطن کی عین وقت پر مدد کی گئی۔

ان سب کارروائیوں کی ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ اگر ان سب کو رپورٹوں اور اخبارات کے فائل سے یکجا کرنے کی کوشش کی جائے۔

الغرض اس قسم کے واقعات چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ گائے اور باجہ پر

جھگڑا ہویا اور کسی وجہ سے جمعیۃ علماء ہند نے ہمیشہ حق کی حمایت کی ہے اور مظلومین کی مدد۔
سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۴۶ء تک جمعیۃ علماء ہند اور اس کی شاخوں کے ریکارڈ میں ایسے
کاموں کی تفصیلات موجود ہیں جس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے فرقہ وارانہ فسادات
سے جمعیۃ علماء ہند نے کبھی چشم پوشی نہیں کی ہے۔

ریاست بھرت پور میں ہدم مساجد کا واقعہ، ریاست جے پور کا خونی حادثہ
اور ریاست الور و کشمیر کے مظلوم مہاجرین کی داستانِ جور و ستم۔ سہارن پور اور
بتیا (بہار) وغیرہ کے فسادات جو سنہ ۱۹۳۷ء سے پہلے ہوئے تھے اور ٹانڈہ، دوری ضلع
بلیا اور مجھول وغیرہ کے واقعات جو کانگریسی دورِ حکومت میں واقع ہوئے ان سب
میں جمعیۃ علماء ہند نے بقدر استطاعت اپنا فرض ادا کیا۔

بلاشبہ جمعیۃ علماء ہند اس قسم کے فسادات کو اسی حد تک محدود رکھ کر کام
کرتی رہی ہے جس کے وہ مستحق ہوئے ہیں۔ اور وہ اس امر کی کبھی کوشش نہیں
کرتی کہ ایک فساد پھیل کر وسیع ہو جائے اور ہندو مسلمانوں میں عام جذبۂ نفرت
پیدا ہو کر مسلمانوں کے تمام کاروبار کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ یا یہ کہ ہر جگہ
ہندو مسلمانوں کے جائز تعلقات بالکل منقطع ہو جائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس
ملک میں مسلمانوں اور اسلام کے اہم مقاصدِ زندگی کے حاصل کرنے کا کوئی موقعہ باقی نہ رہے۔

ذبیحہ گاؤ وغیرہ[ع۵]

کانگریسی حکومت کے زمانہ میں مدراس اسمبلی میں جب ذبیحہ
گاؤ کے خلاف ایک بل پیش ہونے والا تھا۔ اور اس کی

ع۵ لیگ کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں کانگریس سے معمولی اتحاد کی بنا پر تجویز پاس
کر دی کہ بقر عید کے موقعہ پر بجائے گائے کے جہاں تک ممکن ہو سکے دوسرے جانور قربانی ہوں
(صفحہ ۱۷۶ تاریخ مسلم لیگ مصنفہ مرزا اختر حسن۔ کارروائی اجلاس دوازدہم لیگ بمقام امرتسر)
اور جمعیۃ علماء ہند جس کو جنگ آزادی میں کانگریس سے اشتراک کے جرم میں روزانہ
نئے نئے بہتان لگا کر بدنام کیا جا رہا ہے۔ آج تک اس کے پلیٹ فارم پر کسی ایسی تجویز کا منظور
ہونا تو درکنار کبھی ایسی تجویز کی تحریک بھی نہیں کی گئی۔

محمد میاں عفی عنہ

اطلاع ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کو ہوئی تو مولانا احمد سعید صاحب ناظم عمومی نے وزیر اعظم مدراس کے نام فوراً تار دیا کہ یہ بل ہرگز پیش نہ ہو چنانچہ وہ بل روک دیا گیا۔ اسی طرح رنگیلا رسول جیسی ناپاک کتاب کے دوبارہ شائع ہونے کی خبر ملی اور یہ کہ وہ بمبئی کی کانگریسی حکومت کی اجازت سے شائع ہو رہی ہے تو مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے فوراً تار دے کر اس کی اشاعت کو بند کرانے کی سعی کی۔ چنانچہ مسٹر محمد یٰسین نوری وزیر بمبئی نے بذریعہ تار جواب دیا کہ حکومت نے اس قسم کی کوئی اجازت نہیں دی ہے۔

اِس قسم کے سینکڑوں مذہبی اور قومی کام ہیں جن کو مولانا احمد سعید صاحب ناظم عمومی بذریعہ تار و خطوط انجام دیتے رہے ہیں۔ کبھی یہ کام صوبجاتی حکومتوں سے وابستہ رہے۔ کبھی مرکزی حکومت اور وائسرائے ہند سے اور اکثر دیسی ریاستوں سے متعلق ہوئے ہیں۔ جو لوگ اخبارات پابندی سے پڑھتے ہیں انہیں یہ سب باتیں یاد ہوں گی۔

ہم اس وقت جمعیۃ العلماء ہند کی مذہبی و قومی خدمات کی مختلف نوعیتوں کے اظہار کے لئے ان امور کی طرف اجمالی اشارہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو یہ اندازہ ہو سکے کہ مذہبی و قومی خدمات کا کوئی گوشہ حتی الامکان جمعیۃ علماء ہند کے دائرہ عمل سے آج تک خارج نہیں رہا اور اسلام اور اہل اسلام کی خدمت گزاری کے سلسلہ میں کارکنان جمعیۃ علماء ہند نے بالقصد کبھی غفلت نہیں برتی۔ اور یہ کہ وہ حق کی حمایت میں اور اصلاح مخالف کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اور اس مقصد کی راہ میں انہوں نے نہ برطانوی سطوت و جبروت کی کوئی پرواہ کی۔ اور نہ کانگریسی حکومت اور کانگریسی لیڈروں کے تعلقات کی خوشگواری یا ناگواری آڑے آئی۔ اور نہ والیان ریاست کی خفگی کا خیال کیا۔

(ز) ممالکِ اسلامیہ و دیگر ممالک کے مسلمانوں سے
اسلامی اخوت و اتحاد کے روابط کا قیام و استحکام

ٹرنسوال وغیرہ افریقہ کے علاقوں میں نیز برما میں جمعیۃ العلماء کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ کابل کی جمعیۃ العلماء اگرچہ باضابطہ انسلاک اور تعلق نہیں رکھتی مگر ارکان جمعیۃ کے روابط بہت زیادہ خوش آیند ہیں۔ خدا توفیق دے کہ تمام دنیا کے ممالک سے عام رشتہ اخوت کے علاوہ خصوصی روابط بھی قائم ہوں۔ اور اس مقصد کی تکمیل خاطر خواہ ہو۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

(ح) شرعی حدود کے مطابق غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ ہمدردی و اتفاق کے تعلقات کا قیام

اس مضمون کی ایک دفعہ مسلم لیگ کے دستور اساسی میں بھی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

(س) دیگر اقوام ہند کے ساتھ مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات اور اتحاد کو بڑھانا۔

مگر مسلم لیگ کے عمل نے واضح کیا کہ دوستانہ تعلقات اور اتحاد سے مراد ہے اختلاف اور نفرت کی خلیج کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا۔

جمعیۃ علماء ہند اس سلسلہ میں بہت بدنام ہے۔ حتیٰ کہ معاذ اللہ "ہندو پرست" جیسے لعنتی الفاظ بھی جمعیۃ العلماء ہند کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دفعہ کے بموجب سلسلۂ عمل میں ہم جمعیۃ العلماء کو بھی خالی ہی پاتے ہیں۔

کیونکہ آزادی وطن کے سلسلہ میں جو کچھ جمعیۃ العلماء نے کیا وہ خود اپنے نصب العین اور اپنے مقصد کے لئے کیا۔ نہ کسی ہندو کے لئے کیا نہ سکھ کیلئے۔ "اشتراک کانگریس" کے

فتوے کو ہندو پرستی کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر سرکاری اداروں۔ اسمبلیوں۔ کونسلوں بورڈوں۔ تجارتی ایوانوں وغیرہ میں ہندو کے ساتھ اشتراک ہندو پرستی یا ہندوؤں کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق نہیں کہلاتا تو شرکت کانگریس بھی ہندو پرستی یا ہندوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق نہیں۔

تعجب ہے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں ہندو چیرمین کے ماتحت بیٹھ کر ہندو مسلمان آپس کے مشوروں اور ووٹوں سے مسجدوں اور مندروں کے قضیئے طے کریں مسجدوں کی تعمیر پر پابندیاں لگائیں۔ وہاں ہندو پرستی نہ ہو اور آزادی جیسے عظیم الشان مقصد کے لئے اشتراک کانگریس کو ہندو پرستی قرار دیا جائے۔

کیا اس کا سبب یہ ہے کہ برٹش شہنشاہیت کی سرپرستی کانگریس کو حاصل نہیں۔

ہمارے خیال میں اس دفعہ کا منشا تو یہ ہوسکتا ہے کہ برادران وطن کی قومی ضرورت کے وقت ہمدردی اور اتفاق کا ثبوت دیا جائے۔

مثلاً کوئی تیسری طاقت ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کو روکے یا ان کے مندر یا گرودوارہ یا ان کے اوقاف پر بے جا تصرف کرنا چاہے اور اس کے برخلاف ہندو ایجی ٹیشن کریں۔ ایسے موقع پر وطنی برادری کی حیثیت سے نیز اس لحاظ سے کہ اگر ہم اسی حیثیت میں ہوں تو برادران وطن کو ہماری امداد کرنی چاہئے شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ایجی ٹیشن میں ہمدردی اور اتفاق کا ثبوت پیش کیا جائے مگر اس کی کوئی نظیر جمعیۃ العلماء کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔

بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ باہمی تعلقات کی بنا پر وہی ہندو اور مسلمان جو مہاسبھا یا مسلم لیگ کے پلیٹ فارموں کی زینت ہوا کرتے ہیں۔ شادی یا تیوہار کی تقریبات میں ایک دوسرے کے یہاں مبارکباد کے لئے جاتے ہیں لیکن جمعیۃ العلماء کا پورا طبقہ اس تعلق سے برطرف ہے۔

مراسم اور کلچر کے سلسلہ میں انگریزی خواندہ طبقہ نے خواہ ہندو یا مسلمان اپنے اپنے قدیمی کلچروں اور رسم کو چھوڑ کر ایک نیا کلچر اختیار کر لیا ہے جس میں ہندو مسلمانوں

کی تمیز ہی نہیں۔ عام ہندو اور مسلمانوں کے کلچر عموماً اکثریت کے تابع ہیں۔ پنجاب وغیرہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندو مسلمان نظر آتا ہے۔ اور ہندو اکثریت کے صوبوں میں اس کا عکس ہے۔

مذہبی مسلمانوں کی ایک جماعت رہ جاتی ہے جو ایک ایسے کلچر کی پابند ہے جس کو اسلامی تصور کرتی ہے۔ اس جماعت کی رہنما ہی علماء کی جماعت ہے جس پر ہندو پرستی کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ جن کے رات دن صرف اس تلقین کے لئے وقف ہیں کہ مسلمانوں کی معاشرت سے تمام غیر اسلامی رسومات اور طریقوں کو نکال دیا جائے۔ یہ حضرات دوسروں کی رسومات تو کیا لیتے اپنی رسومات میں سے بھی صرف ان کو باقی رکھنا چاہتے ہیں کہ جو سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوں۔ چنانچہ آئے دن یہی بحث رہتی ہے کہ کون سی چیز سنّت ہے کون سی بدعت۔

ٹوپی کی ایک وضع ہے حامد کیپ، اجمل کیپ، جمال کیپ وغیرہ۔ غرض اس کے مختلف نام ہیں۔ ڈیون کے لٹھے، چکن، مخمل وغیرہ نفیس قسم کے ولایتی کپڑوں سے بنائی جاتی ہے۔ کانگریسی مسلمان کھدر پہنتے ہیں انہوں نے یہ ٹوپی بھی کھدر کی بنالی اب اس ٹوپی کو ہندو کلچر کا اہم ترین جزو قرار دے کر لعن طعن شروع کر دیا گیا معاذ اللہ۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

بایں ہمہ اکابر جمعیۃ العلماء اس کو بھی استعمال نہیں کرتے۔ وہ اسی عہد قدیم کی یادگار بنے ہوئے ہیں جس کو لیگی دوست دقیانوسی کہتے ہیں۔

خاتمہ

جمعیۃ العلماء کی حقیقت اور اس کے اغراض و مقاصد کے بعد اس کی چند اہم خدمات کا تذکرہ کر دیا گیا۔ تاکہ اس کے اغراض و مقاصد کی برتری سے واقف ہونے کے بعد یہ بھی اندازہ ہو سکے کہ جمعیۃ العلماء اسلامی اصول کے ماتحت مسلمانانِ ہند کو جس بلند مقام پر پہنچانا چاہتی ہے اس کے لئے اس کے اعمال نامہ میں کس قدر

عظیم شہادتیں موجود ہیں۔ بخلاف دوسری جماعتوں کے کہ اگرچہ ان کے اعمال میں بھی کچھ نیکیاں نظر آسکتی ہیں لیکن ان میں ان اعمال حسنہ کا نشان نہیں مل سکتا جن کی طرف ہم نے اشارات کئے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کی ان خدمات میں جو اوپر مذکور ہوئیں یہ امر بھی ہر منصف مزاج شخص پر واضح ہوگا کہ جمعیۃ علماء ہند نے ابتداء قیام سے آج ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق نومبر ۱۹۴۶ء تک جتنے کام کئے ہیں سب اسلامی تعلیمات کے ماتحت ہیں۔ اور ان کاموں کا محور صرف ایک ہے یعنی یہ کہ کلمۃ اللہ سربلند ہو۔ اسلامی اصول وقوانین کا احترام قائم ہو۔ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد اور اس امر میں کانگریس کی شرکت یا برطانوی حکومت سے پرامن جنگ صرف اسی ایک مقصد کے لئے ہے۔ اور اوپر کی تمام باتوں کو بغور مطالعہ کرنے سے یہ بھی واضح ہوگا کہ جمعیۃ علماء ہند اسلامی مقاصد کے حصول کے پیش نظر جس طرح برطانوی حکومت اور احکام کی سخت گیر پالیسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتی ۔ اسی طرح اس نے کانگریس اور کانگریسی لیڈروں کی غلط کاریوں یا ہندوؤں اور سکھوں کی مجرمانہ کارروائیوں کو بھی کبھی برداشت نہیں کیا ہے۔

ایک اہم نکتہ اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء کا بقا واستحکام اور اس کی تحریکات کے مصارف پر خرچ کرنے کا وہی اجر وثواب عند اللہ ہوگا جو جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کا اجر وثواب شرعاً ثابت ہے اور جس کی ترغیب اور فضیلت قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ کیونکہ جمعیۃ العلماء ہند جو کچھ آج تک کرتی رہی ہے اور آئندہ کرے گی وہ صرف ایک اہم دینی مقصد کے حصول کے لئے یعنی یہ کہ شرعی اصول کے ماتحت حتی الامکان اس ملک میں اقامت دین کا عظیم الشان مقصد پورا ہو اور ایک اہم ترین فریضۂ اسلام ادا ہو۔

کیونکہ جس طرح بحکم اقیموا الصلوٰۃ اقامت صلوٰۃ حسب تشریح

اللہ ورسول فرض ہے ٹھیک اسی طرح بفحوائے ان اقیموا الدین
آقامت دین حسب تفصیل و توضیح اللہ ورسول فرض ہے ۔ اور یہ فرض اسی وقت
ادا ہو سکتا ہے جبکہ اسلام کا اجتماعی نظام صحیح طور پر قائم ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ ورسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمدنی و معاشرتی قوانین کا اجراء و نفاذ ہو اور اس کا
احترام ہر طرح پر قائم ہو جائے ۔ دین حق میں جہاد فی سبیل اللہ کی مشروعیت اسی
اہم مقصد کے لئے ہے اور لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا کا یہی مطلب ہے کہ
اللہ تعالیٰ کے کلمہ یعنی احکام و قوانین تمام انسانوں کے احکام و قوانین سے بالاتر ہیں
اور اللہ تعالیٰ کے قوانین ہی کو جاری و نافذ ہونا چاہیئے ۔

اسی مقصد عظیم کے لئے جہاد فی سبیل اللہ فرض ہوا کرتا ہے جس کی ایک شکل
قتال فی سبیل اللہ ہے جس میں بے شمار جان و مال کے اتلاف کی نوبت آتی ہے ۔ مگر
قوانین الٰہیہ کے تنفیذ و اجراء میں انسانیت اور مدنیت کو جو فوائد دنیا و آخرت میں
حاصل ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں اتلاف جان و مال کے نقصان کی کوئی قدر و قیمت
نہیں ہے ۔ بہرحال جہاد فی سبیل اللہ کی ایک شکل قتال ہے جو ایک آخری طریق
عمل ہے ۔ جبکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو ۔ نیز اس طریق عمل کے لئے احوال و مواقع
بھی مساعدت کر رہے ہوں ۔ یہ نہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ صرف قتال کی صورت میں
محدود ہے ۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اقامت دین اور قوانین الٰہیہ کی سربلندی
اور نظام اسلامی کے قیام کے لئے جس وقت اور جس زمانہ میں جو طریق کار بھی اختیار
کیا جائے (بشرطیکہ وہ صریح نصوص اور اصول اسلامی کے خلاف نہ ہو) وہ حقیقۃً
جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔

اس لئے موجودہ احوال و ظروف میں اس ملک کے اندر جمعیۃ علماء ہند اقامت
دین کی غرض سے جو طریق عمل اور حکمت عملی اختیار کرتی ہے ۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ
کی ایک عملی شکل ہوتی ہے ۔ اور جو مسلمان جمعیۃ علماء ہند کی جد و جہد میں عملاً حصہ لیتا
ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے ۔ اور جو لوگ مال و زر سے جمعیۃ علماء ہند کی اعانت و امداد

کرتے ہیں۔ وہ مجاہد فی سبیل اللہ کے شریک و معاون ہیں۔

اسلامی اصول و فروع کی ناواقفیت کی بناء پر اس ملک میں اب تک کچھ ایسے مسلمان موجود ہیں جو مساجد کی تعمیر یا فقراء و مساکین کی دست گیری کو تو کار خیر سمجھتے ہیں لیکن جمعیۃ علماء ہند کے قیام و بقا اور اس کی جد وجہد پر صرف کرنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے۔ یا یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کم ثواب ملے گا۔ اس لئے ہم پوری دینی بصیرت کی روشنی میں ہر مسلمان کو یقین دلاتے ہیں کہ جمعیۃ علماء ہند کے مصارف کے لئے جو شخص بھی کچھ دیتا ہے اور دے گا وہ بہت زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

کیونکہ مسجدوں اور کنوؤں کا بنوانا، یتیموں کی دعوت وغیرہ بھی اگرچہ دینی کام ہیں اور نہایت ضروری ہیں مگر ان کی حیثیت فروعات کی ہے۔

اسلامی اجتماعی زندگی کی اصل بنیاد یہ ہے کہ قوانین الٰہیہ کے اجراء و احترام کی سعی کی جائے۔

تمام اولوالعزم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں اور ان کی تعلیمات میں ان حقائق کو سمجھنے کے لئے کافی ذخیرہ موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کے تمام فروعی کام صحیح طور پر اسی وقت انجام پذیر ہو سکتے ہیں جب اسلامی نقطۂ نظر سے سیاسی اقتدار خدا پرستوں کے ہاتھ میں ہو تاکہ مخلوق خدا امن و راحت کی زندگی بسر کر سکے۔ ملک میں امن و امان اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔

آج اسی ایک سیاسی قوت کے نہ ہونے سے مسلمانوں کا اجتماعی نظام درہم برہم ہے۔ اسلامی قوانین کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے خاص معاشرتی احکام و نظام کو موجودہ قوانین پامال کر رہے ہیں۔ غیر اسلامی طریقوں پر عموماً مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت ہو رہی ہے۔ اور یہ اندیشہ بیجا نہیں ہے کہ اگر علماء حق نے اس ملک کی سیاسیات میں عملاً حصہ لے کر اسلامی نظام اجتماعی کے قیام و بقا کی کوئی صورت نہیں نکالی۔ اور اس ملک کے نظام حکومت اور قوانین ساز مجالس میں اسلامی تحفظ کی راہ نہیں پیدا کی تو خدا نخواستہ ہمارے مدارس و مساجد اور خانقاہوں کی بڑی سے بڑی

عمارتیں بھی بیکار پڑی رہیں گی۔ کیونکہ مادی اقتدار خواہ وہ نام نہاد مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہو۔ وہ تمام مراسم اور شعائر اسلامی کو ایک ایک کرکے تباہ و برباد کر دے گا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ جب گمراہوں اور بے دینوں کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہے تو انھوں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔

دور کیوں جائیے اسی ہندوستان میں دیکھئے کہ انگریزی حکومت نے جو کچھ کیا وہ ہی کیا کم تھا مگر جب ہندوستانی مسلمانوں کو بھی کچھ اختیارات ملے تو وہ خود کیا کر رہے ہیں۔ قوانین حج معلمین حج کا قانون، شریعت ایکٹ اور قانون انفساخ نکاح مسلم کی تباہ کاریوں میں مسلمانوں کا ہاتھ بھی شامل ہے جس کی تفصیل تتمہ میں ملاحظہ ہو۔

ان ہی واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی تعلیم و تربیت نے مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جو انگریزوں کے خیالات و افکار کی تکمیل کرے گا۔

اگر ہم مسجدوں میں نماز پڑھتے رہیں۔ خانقاہوں میں ہُو حق کا نعرہ بلند کرتے رہیں۔ اور مدارس میں قرآن و حدیث پڑھاتے رہیں مگر ہماری معاشرتی اور تمدنی زندگی اسی سانچہ میں ڈھل جائے جو انگریزی خیالات و افکار نے بنایا ہے تو کیا ہم صحیح طور پر مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں گے۔ اور بڑی بڑی مسجدیں اور مدارس کی عمارتیں یا قرآن و حدیث کی تلاوت ہمارے مسلمان ہونے پر شہادت دے گی؟ یا ان کی شہادتیں ہمارے خلاف ہوں گی؟

یہ چند اشارات ہیں جن پر غور کر کے ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت جمعیۃ علماء ہند کی اعانت و امداد ہے۔ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تمام مدات میں ایک اہم مد جمعیۃ علماء ہند کو مالیات سے مستغنی کرنا ہے۔ کیونکہ اسی کی رہنمائی میں مسلمانان ہند آزادی کی جدوجہد اور جہاد کرکے اقامت دین کا اہم فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔

آخر میں ہم پھر ایک مرتبہ تمام مسلمانوں سے مخلصانہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ جمعیۃ علماء ہند کی شرکت اور مدد فرما کر سعادت دارین حاصل کریں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ، وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

خادمِ ملت محمد میاں عفی عنہ ناظم جمعیۃ علماء ہند

ضمیمہ

جمعیۃ العلماء کیا ہے؟

(نمبر اوّل)

شریعت بلؑ

جب سے ہندوستان میں انگریزی اقتدار اور غلبہ ہوا ہے۔ اسلامی احکام میں خلل اندازی روز بروز ترقی پذیر ہے چنانچہ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے پرسنل لا اور خصوصی قوانین پر بھی دست درازی کی گئی اور ارباب ہوا و ہوس کی خواہشات کے مطابق رواج کو انگریزی حکومت نے قانون قرار دیا۔

وراثت اور تبنیت (متبنّٰی بنا لینا۔ لے پالک بنانا) اور وصیت کے وہ احکام جو قرآن حکیم کی آیات میں صراحۃً موجود ہیں یا احادیث صحیحہ میں وضاحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں رواج کے ذریعہ سے منسوخ قرار دے دیئے گئے۔ چنانچہ اودھ (سرحد) فرنٹیر۔ پنجاب۔ بمبئی کے کچھی میمنوں میں اور صوبجات متوسط وغیرہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت سے یہ قانون جاری ہے کہ مذکورہ بالا مسائل میں احکام شریعت اور قانون اسلام پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ رواج ہی کو قانون سمجھا جاتا ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا ہے ہندوستان میں رواج بالعموم ہندوؤں کے طریقہ پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ

عہ شریعت بل اور لیگ کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ قیمت دو آنہ ہے

اس میں بیوہ کو، لڑکیوں کو اور عورتوں کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ شریعت اسلامیہ میں وصیت وارث کے لئے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ شریعت نے اس کے لئے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ نیز ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کے متعلق صاف اور صحیح احادیث موجود ہیں۔ متبنیت یعنی کسی کو بیٹا یا بیٹی بنا لینے کا بھی شرعاً اعتبار نہیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ابن بیٹے کہے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ زید بن حارثہ کے بجائے ان کو "زید بن محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔ قرآن پاک کی سورۃ احزاب میں پورا ایک رکوع اس کی تردید میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ متبنّٰی ہونے کی بناء پر شرعاً ابن کی حیثیت نہیں حاصل ہوتی مگر ہندستان کے رواج میں وصیت میں بھی تعمیم ہے کہ جو شخص جس کو چاہے جتنے مال اور جائداد کی چاہے وصیت کر دے اور متبنّٰی بنانا بھی معتبر مانا جاتا ہے اور "ابن" کی حیثیت اس کو دے دی جاتی ہے۔

صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو تنبہ ہوا اور انہوں نے اصلاحات ملنے کے بعد حضرت علامہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی زیر سرپرستی (جو اس زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر مستقل تھے) پوری جد وجہد کی کہ رواج کے قانون کو بدل کر شریعت ایکٹ اور محمڈن لا کی صورت پیدا کی جائے۔ خودغرضوں اور رواج کے گرویدہ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ مگر صوبہ سرحد کی اکثریت اسلام اور مذہب کی وفادار تھی۔ اس نے پوری جد وجہد کی۔ چنانچہ جمعیۃ علماء کی سرگرمی میں ان کی کوششیں کامیاب ہوگئیں۔ اور سرمایہ دار ارباب ہوا و ہوس کے خلاف شریعت ایکٹ وہاں پاس ہو کر نافذ ہو گیا۔

اس پر مسلمانان پنجاب کو بھی تنبہ ہوا اور انھوں نے کوشش کی کہ تمام ہندستان کے لئے ایسا ہی قانون پاس ہو جائے۔ چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب لائل پوری نے سنہ ۱۹۳۵ء میں شریعت بل کا مسودہ وائسرائے کی اسمبلی میں پیش کر دیا جس کی غرض مندرجہ ذیل دفعہ ۲ سے واضح ہوتی ہے۔

دفعہ ۲۔ کسی متناقص رواج یا دستور کے تمام معاملات جن کے فریق مسلمان ہوں حسب شرع اسلامی طے کئے جائیں۔ یعنی تبنیت (متبنےٰ بنانا اور لے پالک بنانا) وصیت عورتوں کی جائداد حاصل کردہ بذریعہ وصیت معاملات متعلقہ وراثت۔ عورتوں کی مخصوص جائداد بشمول ذاتی جائداد جو کہ ان کو وراثتہً ملی ہے۔ یا کسی معاہدہ یا ہبہ کے ذریعہ یا کسی اور قانونی وجہ کی بنا پر ملی ہے۔ نکاح۔ انفساخ نکاح۔ بشمول طلاق۔ ایلاء ظہار۔ لعان۔ خلع اور مبارات نان نفقہ۔ دین مہر۔ ولایت ہبہ۔ ٹرسٹ۔ اور جائداد ٹرسٹ۔ اور وقف۔

یہ بل اسمبلی میں پیش ہونے کے بعد رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا گیا۔ اکثر مقامات سے اس بل کی تائید ہوئی۔ مسلمان تعلقہ داروں نے اس کی عموماً مخالفت کی۔ لیکن بالآخر گورنمنٹ اس پر رضامند ہو گئی اور بل کمیٹی انتخاب کے سپرد کر دیا گیا۔ کمیٹی منتخبہ نے اس میں چند لفظی ترمیمات کرکے اس کو منظور کر لیا۔ اب بل آخری خواندگی کے لئے ستمبر ۱۹۳۷ء میں ایوان میں پیش ہوا تو مسٹر جناح نے اس میں ترمیم پیش کی کہ دفعہ ۲ سے لفظ "قانون" نکال دیا جائے۔

تبنیت اور وصیت اور وہ ترکہ جو کہ بطور وصیت ہوں اس سے مستثنیٰ کیا جائے یہ شرط بڑھا دی جائے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ آئندہ ان چیزوں پر بھی شریعت کا قانون حاوی ہو تو وہ ایک افسر کے سامنے اس بات کا اقرار کرے کہ آئندہ وہ اور اس کے نابالغ بچے اور آئندہ نسلیں ان امور ثلاثہ میں شرعی قانون کی پابند ہوں گی مزید فرمایا کہ ۱۹۲۰ء میں کچھی میمنوں کے متعلق کونسل میں یہ پاس ہو چکا ہے کہ تبنیت۔ وصیت اور وہ جائداد جو وصیت سے ملی ہو۔ ان میں رواج کے موافق فیصلے کئے جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسودہ میں سے بھی یہ تینوں چیزیں مستثنیٰ کر دی جائیں۔ اس لئے لفظ (بلا وصیتی) لفظ وراثت کے بعد زائد کیا جائے۔ اور یہ تینوں امور بجائے لازمی کے اختیاری قرار دیئے جائیں۔ اور اس بنا پر

دفعہ ۲ سے ان تینوں کو نکال کر دفعہ ۳ جداگانہ بنائی جائے۔ اور اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو وہ مقرر کردہ حاکم کے سامنے اقرار کرکے اپنے اوپر اپنے بچوں اور آئندہ نسلوں کے اوپر امور متذکرہ بالا میں قانونِ شریعت نافذ کراسکتا ہے جس کا طریقہ دفعہ ۳ میں دیا گیا ہے۔ اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

بہرحال اس ترمیم کے ساتھ ۱۶ ستمبر ۳۷ء کو یہ بل پاس ہوگیا لیکن ظاہر ہے کہ ترمیم نے بل کی روح ختم کردی۔

شریعت بل کی بعض تفصیلات

(شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء پروسیڈیا)

دفعہ ۲ ۔ باوجود کسی متناقض رواج یا دستور کے تمام معاملات ذیل (باستثناء معاملات متعلقہ زراعت یا اراضی) جس کے فریق مسلمان ہوں حسب شرع اسلامی طے کئے جائیں۔ یعنی معاملات متعلقہ وراثت (بلا وصیت) عورتوں کے مخصوص بشمول ذاتی جائداد جو ان کو وراثتہً ملی ہے۔ یا کسی معاہدہ یا ہبہ کے ذریعہ یا اور کسی قانونی وجہ کی بناء پر ملی۔ نکاح انفساخ نکاح بشمول طلاق۔ ایلا۔ ظہار۔ لعان۔ خلع۔ مباراۃ۔ نان نفقہ۔ دین مہر۔ ولایت۔ ہبہ۔ ٹرسٹ۔ اور جائداد ٹرسٹ اور وقف (باستثناء خیرات خیراتی ادارے اور خیراتی و مذہبی اوقاف کے۔ نوٹ اول بر تحریر بالا۔

(الف) زراعتی جائداد اور خیرات اور خیراتی اداروں اور خیراتی اور مذہبی اوقاف کا استثناء اس دفعہ میں اس لئے کیا گیا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۳۵ء کی رو سے

ع۵ چونکہ اس سے پہلے زرعی اراضی کا قانون صوبوں کے اختیار میں دیا جاچکا تھا اس لئے اس کا نفاذ فقط سکنائی اراضی کے متعلق ہوتا تھا۔

ان امور کے متعلق قانون صرف صوبجاتی اسمبلیوں میں پاس کیا جا سکتا ہے۔

(ب) وراثت کے ساتھ بلا وصیتی اس وجہ سے تحریر کیا گیا ہے کہ مسٹر جیناکی ترمیم کی رو سے وصیت کرنے کا اختیار حسب رواج سابق مسلمانوں کو کرنے کا رکھا گیا ہے جس کی تفصیل دفعہ ۳ سے معلوم ہوتی ہے

نوٹ ثانی:۔ مسٹر جینا نے دفعہ ۲ کے متعلق یہ ترمیم کی:۔

تبنیت، وصیت، اور جائداد وصیت لازمی کے بجائے اختیاری رکھی جائیں۔ اس وجہ سے ان چیزوں کو دفعہ ۲ سے نکال کر ان کے لئے دفعہ ۳ حسب ذیل جداگانہ بنائی گئی۔ اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو اپنے لئے اپنے بچوں کے اوپر اور آئندہ نسلوں کے اوپر امور متذکرہ بالا میں قانون شریعت نافذ کرا سکتا ہے جس کا طریقہ دفعہ ۳ میں دیا گیا ہے اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ ۳ ضمن ج:۔ وہ مقررہ فارم کے مطابق اس بات کا اقرار کرکے دے اور اس کو حاکم مقررہ کے سامنے پیش کرے جس میں اس بات کا اقرار ہو کہ وہ چاہتا ہے کہ اس دفعہ کا فائدہ حاصل کرے تو اس اقرار کے بعد دفعہ ۲ آئندہ ایسے اقرار کرنے والے اور اس کے نابالغ بچوں اور آئندہ نسلوں پر اسی طرح عائد ہوگی گویا کہ اس میں الفاظ تبنیت و وصیت اور جائداد جو بذریعہ وصیت کے دی گئی ہے وہ بھی شامل ہے۔

ضمن ۲:۔ اگر حاکم مقرر کردہ اقرار نامہ حسب ضمن ۱ منظور کرنے سے انکار کر دے تو وہ شخص جس نے اقرار نامہ داخل کیا ہو اس کا اپیل ایسے افسر کے سامنے پیش کرے گا جس کو صوبجاتی گورنمنٹ نے اس غرض کے لئے خاص یا عام حکم کے تحت مقرر کیا ہو۔

سنٹرل اسمبلی پروسیڈنگ رپورٹ ۱۶ ستمبر ۳۷ء

۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء کو کاظمی صاحب نے اس میں ترمیمی بل پیش کیا کہ یہ

ترمیمات پیش کردہ مسٹر جینا اب منسوخ ہونی چاہئیں جس طرح حاجی عبدالرزاق صاحب نے ۱۹۳۸ء میں کچھی میمن کے لئے ۱۹۲۰ء کے قانون بہبنیت اور وصیت رواجی کو منسوخ کرالیا ہے۔ مگر مسلم لیگ پارٹی نے آج تک باوجود مطالبہ موافقت نہیں کی اور نہ پاس ہونے دیا۔ بلکہ مسٹر جینا مندرجہ ذیل الفاظ فرما کر سکوت پذیر ہو گئے۔

میں اس ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میری اطلاع ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ رضامندی کا طریقہ یعنی لوگوں کو رضامند کرنے کے طریقہ کو نصف سے زیادہ کچھی میمن اجازت کی درخواستیں دے کر شرعی قانون کے پابند ہو گئے ہیں۔ ہم کوئی چیز چھوڑنا نہیں چاہتے ہم کو لوگوں کو ترغیب دینے کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

اس لئے ہم کو اس طریقہ کا تجربہ کرنا چاہیئے جو بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے۔ لیکن اگر بالآخر ہم کو معلوم ہو کہ ترغیب دینے کا طریقہ کامیاب نہیں ہوتا اور اس وقت اس ایوان کا یہ خیال ہو کہ تہنیت اور وصیت کے بارے میں بھی یہی مسلم پرسنل لا نافذ کیا جائے تو ہم اس پر غور کریں گے۔

اسمبلی رپورٹ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء

زنا با منکوحہ و اغوا منکوحہ

دفعہ ۴۹۷ و دفعہ ۴۹۸ تعزیرات ہند میں سزا فقط زانی کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ عورت بطور شہادت پیش ہوئی ہے اس کو کوئی سزا نہیں۔ اس پر ترمیم پیش کی گئی کہ زانیہ کو بھی سزا ہونی چاہیئے۔ مسٹر رضا علی نے مخالفت کی لیگ پارٹی نے بالکل خاموشی اختیار کی۔ بالآخر بل مسترد ہو گیا۔

رپورٹ اسمبلی ۹ فروری ۱۹۴۴ء

سول میرج ایکٹ

یہ قانون ہندوستان میں ۱۸۷۲ء سے نافذ ہے۔ اس کو اسپیشل میرج ایکٹ بھی کہتے ہیں اس کی غرض اسی ایکٹ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

ہرگاہ کہ یہ مناسب ہے کہ ان لوگوں کے لئے شادی کا طریقہ مقرر کیا جائے جو عیسائی۔ یہودی۔ ہندو۔ مسلمان۔ پارسی۔ سکھ یا جینی مذہب کے پیرو نہیں ہیں۔ اور بعض شادیوں کو جائز قرار دیا جائے جن کا جواز مشتبہ ہے اس لئے قانون ذیل بنایا جاتا ہے۔

اس ایکٹ میں تحریر ہے کہ شادی سے پہلے نکاح کے دونوں فریق (مرد و زن) اور تین گواہ لازماً ان شادیوں کے رجسٹرار کے سامنے ایک اعلان پر دستخط کریں گے جو اس ایکٹ کے ضمیمہ (سیڈول) ۲ کے مطابق ہوگا۔ اعلان حسب ذیل ہے۔

میں فلاں شخص حسب ذیل اعلان کرتا ہوں۔

(۱) میں اس وقت غیر شادی شدہ ہوں۔

(۲) میں عیسائی۔ یہودی۔ ہندو۔ مسلم۔ پارسی۔ بودھ۔ سکھ یا جین مذہب کا پیرو نہیں ہوں۔

(۳) میں اٹھارہ برس کی عمر حاصل کر چکا ہوں۔

(۶) اگر میں جانتا ہوں کہ اس اعلان کا کوئی حصہ جھوٹ ہے اور اگر یہ بیان دیتے وقت میں یہ جانتا ہوں یا یقین کرتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے یا اسے سچ یقین نہ کرتا ہوں تو مجھے قید اور جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے۔

یہ اعلان عورت کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ البتہ عورت کے لئے بجائے ۱۸ سال کے ۱۴ سال کی عمر ہونی ضروری ہے۔ (ہم نے دفعہ ۴ اور دفعہ ۵ کو حذف کر دیا کیونکہ وہ غیر ضروری ہیں۔

ملے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ مکی سول میرج ایکٹ اور لیگ۔ قیمت ۲ر

ترمیمات اور مسٹر جناح

۲۶ر فروری ۱۹۱۲ء کو وائسرائے کی کونسل میں مسٹر بھوپندر ناتھ باسو نے اس قانون میں ترمیم¹ کا مسودہ پیش کرتے ہوئے درخواست کی کہ اس کو منتخب کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے تاکہ پاس ہو کر ملک میں نافذ ہو۔ اس ترمیم کی تائید کرتے ہوئے مسٹر جناح نے حسب ذیل تقریر کی :-

مسٹر جناح کی تقریر

یقیناً اس کونسل میں ایک ہندو یا مسلمان نمائندہ کی حیثیت اس سبب سے پُرخطر ہے کہ کثیر لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہے۔ لیکن میری گذارش یہ ہے کہ ایک نمائندہ جو اپنی قوم کے متعلق کچھ فرائض رکھتا ہے کوئی وجہ² نہیں ہے کہ اپنے ذاتی عقیدہ کو بے خوفی کے ساتھ ظاہر کرنے سے احتراز کرے۔

ع۱ ترمیم کا حاصل یہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا جائے یعنی قانوناً جائز قرار دیا جائے کہ ہندو اور مسلمانوں کی شادی غیر ہندو اور غیر مسلمان سے جائز مانی جائے اور اس اعلان کی ضرورت نہ رکھی جائے۔

ع۲ وجہ تو ظاہر ہے بشرطیکہ یہ نمائندہ اپنی حیثیت اور اپنے فرض منصبی کو دیانت داری کے ساتھ پہچانے۔ نمائندہ کے معنی اپنی ذاتی رائے پر چلنے والے یا عوام کے جذبات و اعتقادات کے برخلاف اپنی ذاتی رائے منوانے والے کے نہیں ہیں بلکہ قوم کے نمائندہ کے یہ معنی کہ وہ اس قوم کے جذبات و معتقدات کی ترجمانی کرے۔ بالخصوص جب کہ اس سے پہلے ۱۹۰۶ء جداگانہ انتخاب منظور ہو کر نافذ ہو چکا تھا تو اس کے تو معنی صاف طور پر یہی تھے کہ مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے معتقدات کے بموجب ترجمانی کرے۔ ورنہ جداگانہ انتخاب کا مطلب کیا۔ صرف ووٹ حاصل کرنے سے نمائندگی تو مخلوط انتخاب میں بھی ہو سکتی تھی۔ اس سے بڑھ کر خیانت اور غداری کیا ہو سکتی ہے کہ ووٹ حاصل کرنے کے وقت تو اسلام تحفظ اسلام اور تحفظ کلچر اسلام کا شور مچایا جائے اور اسمبلیوں میں پہنچ کر خود اسلام کے استیصال اور احکام اسلام میں تحریف کی کوشش کرے۔ بالخصوص ایسے مسئلہ میں کہ اس کے متعلق کھلی ہوئی صاف صاف قرآن پاک کی آیتیں موجود ہوں۔

اس سے یہ نتیجہ لازم نہیں آتا کہ چونکہ اکثریت اس کے خلاف ہے اس لئے وہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں جن کی اکثریت ہے۔ عث

اس کونسل کے کسی نمائندہ کو اگر اس بات کا یقین ہو کہ کوئی قانون ایسا ہے جو اس کے ملک اور قوم کے لئے مفید ہے تو اس کی تائید کرنا چاہیئے۔

محترم رکن قانون (سر علی امام) نے کہا ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قرآن شریف میں صاف احکام ہیں کہ ایک مسلمان مسلمان عورت یا کتابیہ کے سوا کسی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ میں یہ تسلیم کروں گا کہ ان کا بیان درست ہے۔ پھر کیا میں محترم رکن سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ اس ملک میں قانون سازی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کونسل کو قانون اسلامی نظر انداز کرنا پڑا یا اس میں ترمیم کرنی پڑی۔ تاکہ وہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہو جائے۔

اس کونسل نے بہت سی حیثیتوں سے اسلامی قانون کو نظر انداز کیا۔ یا اس میں ترمیمات کی ہیں۔ مثلاً اسلامی قانون معاہدہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسلامی قانون فوجداری جس پر انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد بھی عمل درآمد ہوتا رہا اب کلیتہً منسوخ کر دیا گیا ہے۔ قانون شہادت جیسا کہ اسلامی قانون میں تھا اس ملک میں اب کہیں نہیں پایا جاتا۔ اس سب پر بالا یہ کہ ابھی زمانہ حال کا ایک قانون ہے یعنی کاسٹ دس ایبلیٹیز ریموول ایکٹ Caste Disabilities Removal Act ۲۱ ۱۸۵۰ء یا ذات پات کی رکاوٹ مٹانے کا قانون جس کی طرف میں اس کونسل کی توجہ اس بنا پر مبذول کروں گا کہ جیسے قرآن شریف ہے

عث اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو لیگ میں داخل ہونے کے لزوم اور وجوب کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت اس میں ہے۔ اور اسی لئے اس کو صحیح راستہ بتاتے ہیں

عہ یہ جملہ قوانین اس زمانہ میں مستبد انگریزی حکومت نے بنائے ہیں جبکہ وہ مطلق العنانی کے ساتھ جو کچھ چاہتی تھی کرتی تھی مگر جب کہ کونسلیں قائم کی گئیں اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے منتخب شدہ نمائندے وہاں اس لئے بھیجے جانے لگے کہ اپنے منتخب کرنے والوں کی ترجمانی (بقیہ صفحہ ۶۲ پر)

میں کھلے ہوئے احکام موجود ہیں کہ مذہب تبدیل کرنے کی صورت میں تمام حقوق وراثت ساقط ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی محترم رکن نے بتایا ہے کہ غیر مسلمہ سے شادی کی صورت میں بھی یہ حق ساقط ہو جاتا ہے ؏۔ مگر اب ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کا حق وراثت زائل نہیں ہوتا۔ اور قرآن شریف میں جو حکم اس باب میں ہے وہ بالکل منسوخ ہو گیا ہے ؏۔ اور جہاں تک اس قانون کا تعلق ہے یہی دلیل ہندوؤں پر بھی چسپاں ہوگی۔ بشرطیکہ ایک اچھا اور مضبوط مقدمہ مرتب کیا جائے۔

میں عرض کروں گا کہ یہ نظیریں ہیں جن کی ہم کو پیروی کرنی ہے تاکہ مقتضیات زمانہ اور موجودہ ضروریات کا ہم ساتھ دے سکیں جس کیلئے بہت سی نظائر خود اسلامی قانون میں موجود ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں مسلمانوں اور ہندوؤں کے قوانین میں سے جن کو بھی آپ پیش نظر رکھیں ان کی وجہ سے بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر ایک ہندو

(نوٹ بسلسلہ صفحہ ٦١) کرتے ہوئے ایسی باتیں قوانین میں نہ آنے دیں جو اپنے مذہب یا ان کی [illegible]ت کیلئے مضرت رساں ہوں اور ایسی باتیں پاس کریں جو ان کی دینی اور دنیاوی زندگی کی بہبودی کا ذریعہ بنیں۔ اس وقت کا حال دوسرا ہو گیا۔ مسٹر جناح کو مسلمانان بمبئی نے نمائندہ بنایا تھا ان کا فرض تھا کہ وہ اپنے ووٹ دینے والوں کی ترجمانی کرتے اور ایسے قوانین کی آڑ نہ پکڑتے جو انگریزوں نے خلاف مذہب اور خلاف قرآن اور اسلام محض اپنے استبداد سے بنائے تھے۔ نیز یہ قوانین خلاف اسلام ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی قابل استدلال نہ تھے بلکہ اگر کونسل میں بھی ایسے قوانین بنائے گئے ہوتے تو ان کو منسوخ کرنے یا ان میں ترمیم کرنے کا مطالبہ لازم تھا۔ بالخصوص جبکہ تمام یا اکثر مسلمان ان سے ناراض بھی تھے۔ ایسے وقت میں ایسا قانون بنانا جو کہ خلاف قرآن اور خلاف اسلام تھا اور فقط مسٹر جناح کے مغربیت زدہ ضمیر کی آواز تھی کیا غداری اور خیانت نہیں تھی کیا ایک غلطی دوسری غلطی کی نظیر اور دلیل ہو سکتی ہے ؏ یہ مسٹر جناح کی ناواقفیت اور اسلامی احکام سے لاعلمی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے مرتد ہو جانے پر تو بیشک ارث اور ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے لیکن غیر کتابیہ سے شادی کرنے پر وراثت سے محروم نہیں قرار دیا جاتا۔ ہاں نکاح صحیح نہ ہونے کے باعث اولاد محروم الارث ہوگی ؏ غلط ہے حکم قرآنی کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کر سکتی حکم قرآنی بہرحال حکم ہے۔ یہ بدنصیبی لوگوں کی ہے کہ اس پر عمل نہ کریں۔

غیر ہندو سے یا ایک مسلمان غیر کتابیہ سے شادی کرے۔ لیکن کیا قانون سازی کے ذریعہ اس دقت کو دور نہیں کیا جاسکتا۔ کیا اس معاملہ میں مجلس قانون سازی کی دخل دہی کیلئے مواد موجود نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ یہ بالکل اختیاری قانون ہے جس میں ذرا بھی لزوم نہیں۔ قانون ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان کو کسی غیر مسلمہ کے ساتھ یا ہر ہندو کو کسی غیر ہندو کے ساتھ شادی کرنی ہوگی۔ اس لئے اگر کافی تعداد میں ایسے روشن خیال تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر ہندوستانی موجود ہیں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا پارسی۔ اور وہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہے جو زمانہ موجودہ کے احساسات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو۔ تو کیوں اس طبقہ کو انصاف[۵] سے محروم رکھا جائے۔ جبکہ اس سے ہندوؤں یا مسلمانوں کو کسی قسم کا شدید نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں[۵] ہے۔ (گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ شعبہ قانون سازی ۱۹۱۲ء)

---

[۵] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کے نزدیک قرآنی احکام میں بے انصافی بھی ہے۔

[۵] یہ غلط ہے کہ نقصان کا احتمال نہیں۔ یہ مسٹر جناح کی نفسیات سے سراسر ناواقفیت ہے خاوند اور اس کی اولاد کو مذہبی حیثیت سے بہت سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ خوف شدید ہے کہ علاقۂ زوجیت کی استواری کہیں خاوند اور اس کے بچوں کو اسلام سے منحرف نہ کر دے۔ اور تبدیل مذہب کا سبب بن جائے (معاذ اللہ) یا کم از کم ان کے اندر اسلامی عقائد اور اعمال میں کمزوری یا تبدیلی پیدا ہو جائے۔ بالخصوص جب کہ مسلمان عورتوں کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے ہو۔ اس وقت اس کے ارتداد کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔ اور یہ خطرہ تمام دنیاوی خطرات سے بڑھا ہوا ہے۔ اور یہ کوئی خیالی امر نہیں۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں کتابی عورت۔ عقیدہ کے لحاظ سے رسالت کی قائل ہے اور مرد کے تابع ہونے کے باعث اس سے نکاح میں اتنا شدید خطرہ بھی نہیں۔ مگر تاہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کتابی سے نکاح کو منع فرمایا ہے۔ بظاہر قرآنی اباحت کے لئے یہ احتیاط ضروری ہے کہ کتابی عورت اپنے اقتدار وغیرہ کے باعث مرد کے مذہب اور عقائد پر اثر انداز نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

مسٹر جناح کی ترمیم کامیاب نہیں ہوئی مگر ان کی ذہنیت کا اس سے کافی اندازہ ہو گیا۔

اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں پھر ایک ترمیم پیش کی گئی جس کے ذریعے ہندوؤں کی مختلف پارٹیوں، جین، بودھ، سکھ وغیرہ کا استثنا کر دیا گیا (یعنی ان کے لئے قانوناً حق ہو گیا کہ اپنے مذہب کی پیروی سے علیحدگی کا اعلان کئے بغیر آپس میں نکاح کر سکیں اور وہ نکاح قانوناً درست مانا جائے)

اس کے بعد ۹ فروری ۱۹۲۸ء کو مسٹر ہری سنگھ گور نے اسپیشل میرج بل ایوان میں پیش کیا جس کی مختصر روداد بحوالہ (انڈین کوارٹری (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۵ جلد اول ۲۲ مارچ ۱۹۲۸ء اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی بل) حسب ذیل ہے۔

سر ہری سنگھ گور نے تجویز پیش کی۔ ان کے اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی) بل کو سیلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ سر ہری سنگھ نے اپنے اس اقدام کی تاریخ بیان کی اور کہا کہ "سر ہنری مین" نے ۱۸۶۸ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کونسل ایک ایسا غیر مذہبی قانون شادی کے لئے بنا دے جس سے تمام ہندوستانی رعایا مستفید ہو۔ اس وقت سے ملک کے لئے سول میرج کے قانون کی متعدد بار کوشش کی جا چکی ہے۔ اس کے ابتدائی اقدامات نے جو ۱۹۲۳ء میں نافذ ہوئے۔ ہندو، جین، سکھ اور بودھ مذہب والوں کے لئے آپس میں شادی کو جائز کر دیا۔ ہنری مین کے بل نے ایوان کے سامنے پیش کیا تھا کہ تمام شادیوں کو بلا امتیاز ذات پات۔ رنگ و نسل کا لحاظ کئے ہوئے جائز قرار دیا جائے۔ آج ہندوستان کو سخت دشواری پیش آ رہی ہے کیونکہ فریقین برٹش سول میرج کے ماتحت صرف ہندوستان کے باہر شادی کر سکتے ہیں اگر یہ بل پاس ہو گیا تو ہندوستان سے فرقہ وارانہ جذبہ ختم ہو جائیگا اور ہندوستان متحد ہو کر ایک قوم ہو جائیگا۔

مسٹر انوار العظیم نے کہا کہ اس بل کے ذریعہ ہمارے اعتقادات کو کچلا جا رہا ہے اسلئے مسلمانوں کو اس سے مستثنے کر دیا جائے۔

---

۵۶ مولانا ظفر الملک صاحب لکھنوی سوانح عمری مسٹر جناح صفحہ ۲۶۷ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:۔
۱۹۰۹ء میں مسلمانان بمبئی کی جانب سے منتخب ہو کر مسٹر جناح وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوئے جہاں ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے خلاف انہوں نے قانون شادی کے مسودہ ترمیم کی پرزور تائید کی اور علی گڑھ پارٹی کے خلاف مسٹر گوکھلے کی ابتدائی تعلیم کے مسودہ قانون کی بھی تائید کی جس سے مسلمانان بمبئی ناراض ہو گئے۔ اور ۱۹۱۲ء کے انتخاب میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ مسٹر جناح نے تعلیمی مسودہ (مذکورہ) پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا جب میں شادی کے مسودہ قانون پر اس سے پیشتر تقریر کر رہا تھا تو میں نے علانیہ آزادی کے ساتھ اسے تسلیم کیا تھا کہ قوم کی اکثریت اس مسودہ قانون کے خلاف ہے مگر میرے دلی معتقدات اس مسودہ کی موافقت میں تھے اور میں نے اپنا فرض تصور کیا کہ اس تجویز کی تائید کروں (سوانح عمری مسٹر جناح